بِسْمِ اللّٰہِ الرَّحْمٰنِ الرَّحِیْمِ ۰

فَلَا تَغُرَّنَّکُمُ الْحَیَاۃُ الدُّنْیَا وَلَا یَغُرَّنَّکُمْ بِاللّٰہِ الْغَرُوْرُ (سورہ لقمان ۳۳)

پس تمہیں دنیا کی زندگی ہرگز دھوکے میں نہ ڈالے، اور نہ ہی وہ بڑا دھوکے باز (شیطان) تمہیں اللہ کے بارے میں دھوکہ دینے پائے۔

کہکشاں کے آنسو

(ایک المناک، دردناک اور عبرت انگیز داستان)

(مؤلف)

محمد شمس الضحیٰ قادری

بنسبتِ

سیدالانبیاء والمرسلین، شفیعِ روزِ جزا، رحمۃٌ للعالمین، خاتم النبیین،
سراجِ منیر، شمس الضحیٰ، بدرالدجیٰ، سیدنا احمد مجتبیٰ

محمد مصطفیٰ صلی اللہ علیہ وسلم

مشہور ومعروف انبیاء کرام علیہم السلام

* سیدنا حضرت آدم صفیُّ اللہ علیہ السلام * سیدنا حضرت ابراہیم خلیلُ اللہ علیہ السلام
* سیدنا حضرت موسیٰ کلیمُ اللہ علیہ السلام * سیدنا حضرت عیسیٰ روحُ اللہ علیہ السلام

مشہور ومعروف ملائکہ عظام علیہم السلام

* حضرت جبرئیل علیہ السلام * حضرت میکائیل علیہ السلام
* حضرت اسرافیل علیہ السلام * حضرت عزرائیل علیہ السلام

خلفائے راشدین وصحابہ کرام رضی اللہ عنہم

امیر المؤمنین سیدنا ابوبکر صدیق رضی اللہ عنہ * امیر المؤمنین سیدنا عمر فاروق اعظم رضی اللہ عنہ
امیر المؤمنین سیدنا عثمان غنی ذوالنورین رضی اللہ عنہ * امیر المؤمنین سیدنا علی مرتضیٰ شیرِ خدا رضی اللہ عنہ

امہات المؤمنین رضی اللہ عنہن

* سیدتنا حضرت خدیجۃ الکبریٰ رضی اللہ عنہا
* سیدتنا حضرت عائشہ صدیقہ رضی اللہ عنہا

*سیدتنا حضرت حفصہ بنتِ عمر رضی اللہ عنہا

*سیدتنا حضرت امِ سلمہ رضی اللہ عنہا

اہل بیتِ اطہار علیہم السلام

*خاتونِ جنت سیدتنا فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہا

*شاہِ ولایت سیدنا امام علی مرتضٰی رضی اللہ عنہ

*سیدنا امام حسن مجتبٰی رضی اللہ عنہ

*سید الشہداء سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ

ائمہ اربعہ رحمہم اللہ

* سیدنا امام ابو حنیفہ رضی اللہ عنہ * سیدنا امام مالک رضی اللہ عنہ

* سیدنا امام شافعی رضی اللہ عنہ * سیدنا امام احمد بن حنبل رضی اللہ عنہ

مشہور و معروف شہدائے کرام علیہم الرضوان

سید الشہداء امیر حمزہ رضی اللہ عنہ * سلطانِ کربلا سیدنا امام حسین رضی اللہ عنہ

شہیدِ بغداد سیدنا امام موسیٰ کاظم رضی اللہ عنہ * غازیِ اسلام سیدنا سالار مسعود غازی رحمۃ اللہ علیہ

جلیل القدر اولیاء عظام رحمہم اللہ

* غوثِ اعظم سیدنا شیخ عبدالقادر جیلانی رضی اللہ عنہ۔

*سلطانِ ہند سیدنا خواجہ غریب نواز معین الدین چشتی رضی اللہ عنہ۔

* محبوبِ الٰہی سیدنا خواجہ نظام الدین اولیاء رحمۃ اللہ علیہ۔

* مجددِ الفِ ثانی سیدنا شیخ احمد سرہندی رحمۃ اللہ علیہ۔

مقدمۃ الکتاب

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ ۰

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰہِ رَبِّ الۡعٰلَمِیۡنَ، وَالصَّلٰوۃُ وَالسَّلَامُ عَلٰی سَیِّدِ الۡمُرۡسَلِیۡنَ، وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصۡحٰبِہٖ اَجۡمَعِیۡنَ، اَمَّا بَعۡدُ!

تخلیقِ کائنات کا غایتِ اولیں اور جوہرِ حقیقی "محبت و یگانگت" ہے، جس نے بکھرے ہوئے عناصر کو ایک لڑی میں پرو کر کائناتِ ہست و بود کو وجود بخشا۔ ربِ قدیر نے انسان کو مٹی کے ایک لوتھڑے سے تخلیق فرما کر اسے رشتہ ہائے خونی اور علائقِ خاندانی کے لطیف بندھنوں میں جکڑ دیا، تاکہ یہ بے روح مادی دنیا الفت، ایثار، اور صلہ رحمی کے نور سے منور ہو سکے۔ خونی رشتے محض سماجی ضابطے یا دنیاوی مصلحتوں کے مرہونِ منت نہیں ہیں، بلکہ یہ رحمانی صفت "الرحم" کے فیضانِ اتم کا مظہر ہیں، جن کی پاسداری دین و دنیا کی فلاح کی ضامن ہے۔

تاہم، دورِ حاضر کا سب سے ہولناک، جگر دوز اور الم ناک سانحہ یہ ہے کہ مادیت پرستی کے اس پرآشوب اور مصلحت پسندانہ دور میں ان مقدس اور لافانی رشتوں کا تقدس پامال ہو چکا ہے۔ دلوں سے خلوص و مروت کا جنازہ نکل چکا ہے، اور انا، حسد، اور زر پرستی کی ہوس نے خونی رشتوں کو ایک ایسے مقتل گاہ میں تبدیل کر دیا ہے جہاں ہر کوئی اپنے سگے کا خون بہانے کے لیے صف آرا ہے۔

کتاب کا پس منظر اور عصری معنویت:

زیرِ نظر تالیفِ جلیل، جس کا عنوانِ جلی اپنی بساط میں فکر و آگہی کا سمندر سموئے ہوئے ہے، محض لفاظی یا تخیلاتی داستان گوئی کا نمونہ نہیں ہے، بلکہ یہ ہمارے بیمار معاشرے کے ناسوروں پر ایک گہرا، عالمانہ اور بصیرت افروز جراحی عمل ہے۔ مصنف نے اپنے خونِ جگر

سے اس کتاب کے اوراق کو رنگین کیا ہے، اور معاشرتی انحطاط، خانگی نزاعات، اور رشتوں کے زوال پذیری کے المیے کو جس دل دوز اور تازیانہ صفت اسلوب میں ڈھالا ہے، وہ قاری کی روح کو جھنجھوڑ دینے کے لیے کافی ہے۔

اس کتاب کی اہمیت کا اندازہ اس امر سے لگایا جا سکتا ہے کہ یہ سماج کے ان مخفی گوشوں پر روشنی ڈالتی ہے جنہیں ہم اکثر مصلحت کا پردہ ڈال کر نظر انداز کر دیتے ہیں۔ یہ کتاب خاندانی زندگی کے اس بھیانک سراب کو بے نقاب کرتی ہے جہاں ظاہری چمک دمک کے پیچھے دلوں کی ویرانی اور رشتوں کا قحط چھپا ہوا ہے۔ یہ دورِ حاضر کے اس فکری قحط کا مرثیہ ہے جہاں انسان نے تجوریوں کو بھرنے کی خاطر اپنی سچی جنتوں (ماں باپ، بہن بھائی) کو نیلام کر دیا ہے۔

اسلوبِ نگارش اور کتاب کی انفرادی خصوصیات:

اس تصنیفِ لطیف کا اسلوبِ نگارش نہایت ثقیل، متین اور علمی ہے۔ مصنف نے روایتی اور سپاٹ لفاظی سے ہٹ کر "نثرِ مقفیٰ و مسجع" اور رقت آمیز فقرہ بندی کا سہارا لیا ہے، جس سے کتاب کا ایک ایک لفظ قاری کے دل میں نشتر کی طرح پیوست ہو جاتا ہے۔ جملوں کی ساخت میں وہ سوز اور گداز ہے جو قاری کو جا بجا دہاڑیں مار کر رونے اور اپنے گریبان میں جھانکنے پر مجبور کرتا ہے۔

کتاب کی سب سے بڑی انفرادیت اس کا "اصلاحی و عالمانہ توازن" ہے۔ مصنف محض دردناک مناظر کی تصویر کشی کر کے قاری کو مایوسی کے اندھیرے میں نہیں چھوڑتے، بلکہ ہر دردناک باب کے اختتام پر قرآن و سنت کی روشنی میں اس کا شافی علاج، شرعی ضوابط اور اخلاقی اصلاح کا ایسا نسخۂ کیمیا پیش کرتے ہیں جو ضلالت کے اندھیروں میں ہدایت کا مینارِ نور ثابت ہوتا ہے۔

حرفِ آخر:

الغرض، یہ کتاب دورِ حاضر کے ہر اس انسان کی ضرورت ہے جو رشتوں کی ٹٹولتی ہوئی تاریکیوں میں خلوص کی شمع روشن کرنا چاہتا ہے۔ یہ تالیفِ نادر خانگی نظام کی اصلاح کے لیے ایک جامع دستور العمل اور تازیانۂ عبرت ہے۔ بندہ عاجز ربِ ذوالجلال کی بارگاہِ بے کس پناہ میں دعا گو ہے کہ وہ مؤلفِ کتاب کی اس مخلصانہ، علمی اور ادبی کاوش کو اپنی بارگاہ میں شرفِ قبولیت عطا فرمائے، اسے عوام وخواص کے لیے نافع خلائق بنائے، اور اس کتاب کو معاشرے کے اجڑے ہوئے چمن کے لیے بارانِ رحمت کا سبب بنائے۔ آمین بجاہ سید المرسلین ﷺ۔

(خاکسار وخادمِ علم وادب)

(احقر العباد محمد انور رضا قادری)

احوالِ مؤلف

بِسۡمِ اللّٰهِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِيۡمِ

اَلۡحَمۡدُ لِلّٰهِ رَبِّ الۡعَالَمِيۡنَ، وَالصَّلَاةُ وَالسَّلَامُ عَلٰی أَشۡرَفِ الۡاَنۡبِيَاءِ وَالۡمُرۡسَلِيۡنَ، وَعَلٰی اٰلِهٖ وَاَصۡحَابِهٖ اَجۡمَعِيۡنَ۔

۱۔ جذبۂ تالیف اور دردمندیِ دل:

بارگاہِ الٰہی میں سربسجود ہو کر اور ناطقۂ قلم کو جنبش دیتے ہوئے دل اس حقیقت کا معترف ہے کہ یہ تالیف، یعنی "کہکشاں کے آنسو"، کسی دنیاوی جاہ وجلال، نام ونمود، یا اپنی علمی بڑھوتری اور ذاتی شہرت کی خاطر صفحۂ قرطاس پر نہیں اتاری گئی۔ الغرض، شہرت کی تمنا تو اہلِ

دنیا کا شیوہ ہے؛ اس ہیچمدان اور قاصر القلم کا مقصدِ وحید صرف اور صرف مخلوقِ خدا کی اصلاح، رشتوں کے گرتے ہوئے تقدس کی بحالی، اور زوال پذیر معاشرے کو اخلاقی دوزخ سے نکال کر جادۂ مستقیم پر گامزن کرنا ہے۔ جب ضمیر نے انسانی رشتوں کی مقتل گاہ میں سسکتی ہوئی ممتا، دم توڑتی ہوئی خاندانی روایات اور مادیت کی ہوس میں اندھے ہوتے ہوئے انسانوں کا ننگا ناچ دیکھا، تو روح تڑپ اٹھی۔ یہ کتاب اسی داخلی کرب، دردمندی اور لرزتے ہوئے دل کی پکار ہے، جسے عوام الناس کے فائدے کے لیے عام کیا جا رہا ہے تاکہ یہ دلوں کو جھنجھوڑنے کا سبب بن سکے۔

۲۔کربِ تحقیق اور انتھک علمی مشقت:

اس کتاب کے تیرہ ابواب کی شیرازہ بندی اور انہیں ایک منظّم و مربوط لڑی میں پرونا کوئی سہل کام نہ تھا۔ خونِ جگر کو روشنائی بنا کر، راتوں کی نیندیں قربان کر کے، اور علم و ادب کے ثقیل مآخذ کا عمیق مطالعہ کرنے کے بعد ایک ایک سطر وجود میں آئی ہے۔ الفاظ کا انتخاب، قوافی کی بندش، اور اسلوب کی گدازی کو قائم رکھنے کے لیے فکری و لسانی جتن کرنے پڑے۔ یہ محض چند اوراق کا مجموعہ نہیں، بلکہ شب ہائے دراز کی تپسیا، فکر و تدبر کے استغراق، اور خونِ تمنا کا وہ نچوڑ ہے جسے مصنف نے اپنے شب و روز کی مشقت سے سینچا ہے، تاکہ کتاب کا ہر لفظ قاری کی روح میں اتر جائے اور عبرت کا سامان پیدا کرے۔

۳۔اعترافِ عجز اور استدعائے تصحیح:

انسان خطا و نسیان کا پتلا ہے، اور کمال صرف ذاتِ باری تعالیٰ کے لیے مخصوص ہے۔ میں اپنی علمی کم مائیگی، فکری کوتاہی اور دامنِ عجز کا اعتراف کرتے ہوئے قارئینِ کرام کی عدالت

میں یہ علمی تحفہ پیش کر رہا ہوں۔ اگر اس تالیفِ دلپذیر میں کہیں کوئی لغزش، املا کی فروگزاشت، یا اسلوب کی کوئی خامی نظر آئے، تو اسے مؤلف کی کم علمی پر محمول فرماتے ہوئے عفو و درگزر کا معاملہ فرمائیں۔ صاحبانِ علم و دانش اور علمائے راسخین سے مؤدبانہ گزارش ہے کہ وہ میری ذاتی بڑائی یا تنقید کے بجائے، مصلحانہ جذبے کے تحت میری رہنمائی فرمائیں اور عاجزی کے طور پر ان خامیوں کی نشان دہی کریں، تاکہ آئندہ اشاعت میں ان کی تصحیح کی جا سکے۔

۴۔ حرفِ آخر اور دعائیہ کلمات:

میں اللہ تبارک و تعالیٰ کی بارگاہ میں دعا گو ہوں کہ وہ میری اس حقیر سی محنت، شب بیداری اور جذبۂ خدمت کو اپنی بارگاہِ بے کس پناہ میں شرفِ قبولیت عطا فرمائے۔ اس کتاب کو قارئین کے لیے نافع، دلوں کو مائل بہ خیر کرنے کا ذریعہ، اور میرے، میرے والدین، اور اساتذہ کے لیے توشۂ آخرت اور ذریعۂ نجات بنائے۔ آمین بجاہ النبی الامین صلی اللہ علیہ وسلم۔

العبد القاصر:

محمد شمس الضحیٰ قادری

(مصنف کی چند دیگر تصنیفات)

الحمد للہ! زیرِ نظر کتاب "کہکشاں کے آنسو" کے علاوہ، مولیٰ عز و جل کے فضل و کرم اور اسلاف کی فیضانِ نظر سے، اس ناچیز کی چند دیگر علمی و اصلاحی کاوشیں بھی منظرِ عام پر آنے والی ہیں اور زیورِ طبع سے آراستہ ہو رہی ہیں، جو تشنگانِ علم کے لیے باعثِ نفع ہوں گی:

۱ ۔ شمس اللغات: یہ اردو، عربی، فارسی اور انگریزی زبانوں کا ایک منتخب لغوی ذخیرہ ہے، جو طلبا اور ادیبوں کے لیے ایک قیمتی علمی مرجع ہے۔

۲ ۔ شمس البیان: قرآن وحدیث کی روشنی میں انیس (19) منتخب اصلاحی بیانات کا ایک فکر انگیز مجموعہ۔

۳ ۔ شمس الغزوات: تاریخِ اسلام کے بارہ (12) عظیم الشان غزوات کا مختصر مگر جامع اور ایمان افروز تذکرہ۔

۴ ۔ شہادت گاہِ عشق: انیس (19) جلیل القدر جاں نثارانِ صحابہ کے پُرکشش اور رقت آمیز واقعات، جو عشقِ رسول ﷺ کی شمع فروزاں کرتے ہیں۔

۵ ۔ اصطلاحاتِ حج وعمرہ: حرمین شریفین کی حاضری کے آداب، طریقے اور مخصوص اصطلاحات کی سہل انداز میں وضاحت۔

۶ ۔ عوام الناس کی غلط فہمیاں اور ان کی اصلاح: قرآن، حدیث اور فقہِ حنفی کی روشنی میں معاشرے میں رائج غلط فہمیوں کا ایک مدلل علمی و اصلاحی جائزہ۔

دعا ہے کہ اللہ تعالیٰ ان تمام کاوشوں کو قبولِ عام عطا فرمائے اور انہیں امتِ مسلمہ کی فلاح و ہدایت کا ذریعہ بنائے۔

آمین بجاہِ سید المرسلین ﷺ

اجمالی فہرست

تفصیلی فہرست (مع خلاصہ جات)

تفصیلی خلاصہ: شادی کے ابتدائی دنوں کی بے پناہ محبت، ایک دوسرے کے بغیر نہ جینے کے عہد اور پل پل کی خبر رکھنے کا سنہری خواب؛ اور کچھ سالوں بعد اسی الفت کا دشمنی میں بدل جانا، میاں بیوی کا ایک دوسرے کو بات بات پر طعنے دینا، عیب نکالنا، شکوک وشبہات کی آگ اور ہنستی کھیلتی زندگی کو دوزخ بنا دینا۔

۵۔ باب پنجم: جوائنٹ فیملی کا بکھراؤ (مشترکہ خاندانی نظام کا انحطاط اور انفرادیت کا المیہ)

تفصیلی خلاصہ: شادی کے بعد حالات سے مجبور ہو کر یا کسی قریبی کے اکسانے پر بیٹے کا اپنا چولہا اور بستر الگ کر لینا، بوڑھے ماں باپ کا بڑھاپے کی آخری لاٹھی ٹوٹنے پر اندر ہی اندر جلنا، اور فرض ومحبت کی چکی میں پسنے والے خوددار بیٹے کا پوشیدہ اندرونی کرب اور پچھتاوا۔

٦۔ باب ششم: وقت کا قحط اور رشتوں کی ویرانی (مادی دور کی بے حسی اور اخلاقی قحط الرجال)

تفصیلی خلاصہ: جن کا خون ایک ہے ان کا آپس میں کٹ جانا، ساس اور بہو کی انا کی جنگ، مٹی اور زمین کے ایک ٹکڑے کے لیے سگے بھائی کا بھائی کے خون کا پیاسا بن جانا، شادی کے بعد بیٹے کا باپ کو دیکھنا تک گوارا نہ کرنا، اور مادی ہوس میں اندھے ہو کر رشتوں کو بھول جانا اور صرف ضرورت کے وقت یاد کرنا؛ مع عالمانہ وشرعی اصلاح۔

۷۔ باب ہفتم: طالبِ علمِ دین کی ہجرت (حصولِ علمِ نافع کے لیے جلاوطنی اور اس کے مصائب)

تفصیلی خلاصہ: معصوم عمر میں علمِ مصطفیٰ ﷺ کے لیے ماں کی گرم گود سے دوری، بستر بندھتے وقت بچے کا اضطراب، مدرسے کی تاریک راتوں میں گھر کی یاد میں تڑپنا اور رونا، وہاں کا سادہ و بے ذائقہ کھانا اور غربت کی مشقت جھیلنا، اور برسوں کی تپسیا کے بعد دستارِ فضیلت کے موقع پر ماں باپ کے سجدۂ شکر اور اشکبار آنکھیں۔

۸۔ باب ہشتم: مزدورِ پردیس (حصولِ رزق کی مشقت اور غریبِ وطن کی کسمپرسی)

تفصیلی خلاصہ: جوان بیٹے کا اپنوں کی خاطر اپنے وطن اور گھر کی دہلیز کو چھوڑنا، نوبیاہتا بیوی کے سہاگ کا اجڑنا، پردیس کی تپتی دھوپ اور ناموافق حالات میں بارہ بارہ گھنٹے کی کمرتوڑ مشقت، اور ایک ہی چھت کے نیچے کسمپرسی کی حالت میں بہت سے مزدوروں کا بھیڑوں کی طرح سوکر راتیں کاٹنا۔

۹۔ باب نہم: پردیس کا خون اور وطن کی بے رخی (دیارِ غیر کی جفاکشیاں اور اپنوں کی صدماتی سنگ دلی)

تفصیلی خلاصہ: دیارِ غیر میں مسافر مزدور کا خون پانی کی طرح نچوڑا جانا، دن رات پسینہ بہانا، مگر وطن میں موجود گھر والوں اور رشتوں کا اس کے خون پسینے اور اس کی گرتی ہوئی صحت کے بجائے صرف اس کے بھیجے ہوئے نوٹوں (پیسے) اور مادی فرمائشوں پر نظر رکھنا۔

۱۰۔ باب دہم: ماضی کا خوبصورت چمن اور آج کا اجڑا ہوا دیار (عہدِ رفتہ کی رعنائیاں اور موجودہ دور کی عبرت انگیز پامالی)

تفصیلی خلاصہ: ماضی کا وہ دور جب دادا، دادی، نانا، نانی، ماموں، خالہ اور پھوپھی کے گھر جانا، ان کا بے پناہ لاڈ، خلوصِ نیت سے ضیافتیں اور عیدی دینا ہوتا تھا؛ بچپن میں ماں باپ کے سائے میں سچی جنت، بھائی کا مضبوط بازو اور بہن کا لاڈ؛ اور "آج" کے مصلحت پسند دور میں وقت کے بدلنے پر سب کا ایک دوسرے سے دور، اجنبی اور تنہا ہوکر سسکنا۔

۱۱۔ باب یازدہم: رشتوں کی مقتل گاہ (خونی رشتوں کا زوال، خانگی جنگ اور معاشرتی المیہ:

۱۲۔ باب دوازدہم: موت کا بلاوا (حیاتِ فانی کا اختتام اور سکراتِ موت کی سچائیاں)

تفصیلی خلاصہ: سکراتِ موت کی تلخ حقیقت، گھر کے کسی عزیز فرد (ماں باپ، بھائی یا بچے) کے اچانک انتقال پر کائنات کا تھم جانا، ماں کا بین، باپ کی ٹوٹی کمر، اور اس کے جانے کے بعد اداس آنگن کو دیکھ کر زندگی بھر کا یہ جانکاہ پچھتاوا کہ " کاش! ہم ان کی زندگی میں ان کے ساتھ بہتر سلوک کیے ہوتے۔

۱۳۔ باب سیزدہم: عدالتِ الٰہیہ کا کٹہرا (مکافاتِ عمل اور بارگاہِ رب العزت میں آخری محاسبہ)

تفصیلی خلاصہ: دنیا کی فانی زندگی کے بعد بارگاہِ الٰہی میں آخری پیشی، دنیا بھر میں کی جانے والی بے حسی، ترکِ فرائض، زبان کے گناہوں (جھوٹ، غیبت، چغلی، فحش گوئی) کا حساب، مظلوموں کی فریاد، اور خدا کی عدالت میں گنہگاروں کا اپنے نامہ اعمال کو دیکھ کر کانپنا اور اوندھے منہ گرایا جانا۔

۱۔ باب اول

آغوشِ ممتا

(مادریت کا تقدس اور اولاد کی فکری کج روی)

وَوَصَّيْنَا الْإِنْسَانَ بِوَالِدَيْهِ حَمَلَتْهُ أُمُّهُ وَهْنًا عَلَى وَهْنٍ وَفِصَالُهُ فِي عَامَيْنِ (سورہ لقمان آیت ۱۴)

ترجمہ: اور ہم نے انسان کو اس کے ماں باپ کے متعلق تاکید کی، اس کی ماں نے اسے ضعف پر ضعف جھیل کر پیٹ میں رکھا اور اس کا دودھ چھوٹنا دو برس میں ہے۔

ملا جو آغوشِ ممتا، تو زندگی پائی
اسی کے فیض سے دل نے یہ روشنی پائی
جہاں میں ماں کی محبت کا کوئی بدل ہی نہیں
دعائے ماں سے ہی ہم نے یہ سروری پائی

۔ تخلیق کا کرب، خونِ جگر کی پرورش اور ماں کی لٹتی ہوئی جوانی کا مرثیہ:

کائنات میں محبت، ایثار اور قربانی کا اگر کوئی خدا داد مجسمہ ہے، تو وہ صرف اور صرف "ماں" ہے۔ وہ ہستی جو خود کو مٹا کر ایک نئی زندگی کو وجود دیتی ہے۔ ایک بیٹا جب جوان ہو کر اپنی دنیا میں مگن ہو جاتا ہے، تو وہ اکثر بھول جاتا ہے کہ جس مضبوط جسم اور گرجدار آواز پر اسے ناز ہے، اسے اس مقام تک پہنچانے کے لیے ایک عورت نے اپنی جوانی، اپنی ہڈیاں اور اپنا خون تک نچوڑ کر اس کے نام کر دیا تھا۔

اگر کوئی بیٹا اپنی ماں کی اس بے لوث محبت اور بے پناہ تکلیفوں کا یہ سفر شروع سے آخر تک

پڑھ لے، تو اس کا دل مٹھی میں آ جائے گا، اس کی آنکھیں شرمندگی اور محبت کے آنسوؤں سے نم ہو جائیں گی، اور وہ تڑپ کر اپنی ماں کے پیروں میں گر جائے گا۔

۔حمل کا زمانہ: نو مہینے کا قیدِ بامشقت اور ہڈیوں کا پگھلنا

اس سفر کی شروعات اس وقت سے ہوتی ہے جب یہ جوان بیٹا ماں کے پیٹ میں صرف ایک نطفہ تھا۔قرآنِ پاک نے اس کیفیت کو ایک جملے میں بیان کیا:"وَهْـنًـا عَـلَـىٰ وَهْـنٍ" (کمزوری پر کمزوری)۔

طبیعت کا ناساز ہونا اور بے چینی: حمل کے ابتدائی دنوں سے ہی ماں کی اپنی زندگی تھم جاتی ہے۔صبح اٹھتے ہی متلی، قے اور چکر آنا اس کا مقدر بن جاتا ہے۔وہ کچھ کھانا چاہتی ہے تو کھا نہیں پاتی، بو سے اس کا جی متلاتا ہے۔بیٹا اندر بڑھتا ہے اور ماں اندر ہی اندر کمزور ہوتی چلی جاتی ہے۔

نو مہینے کا بوجھ: جیسے جیسے مہینے گزرتے ہیں، ماں کا اٹھنا، بیٹھنا، چلنا اور سانس لینا محال ہو جاتا ہے۔وہ رات کو سیدھی سو سکتی ہے نہ کروٹ لے سکتی ہے۔جب پورا جہان گہری نیند سو رہا ہوتا ہے، ماں رات بھر بستر پر تڑپتی اور کروٹیں بدلتی رہتی ہے۔وہ اپنے پیٹ پر ہاتھ رکھ کر اس بوجھ کو سنبھالتی ہے، لیکن اس تکلیف کے باوجود وہ اس وجود سے محبت کرتی ہے اور اس کے آنے کی دعائیں مانگتی ہے۔

وضعِ حمل (پیدائش) کا لمحہ: موت کے منہ سے زندگی کا سفر

پیدائش کا وہ لمحہ انسانی تاریخ کا سب سے خوفناک اور دردناک منظر ہوتا ہے۔طبی ماہرین کہتے ہیں کہ بچے کی پیدائش کے وقت ماں کو جتنا درد ہوتا ہے، وہ ایک ساتھ انسان کی ۲۰ ہڈیاں ٹوٹنے کے برابر ہوتا ہے۔یہ وہ وقت ہوتا ہے جب ماں زندگی اور موت کی سرحد پر کھڑی ہوتی ہے۔

موت کا سامنا: جب پیدائش کا درد (لیبر پین) شروع ہوتا ہے، تو ماں کا ایک ایک بندھن ٹوٹنے لگتا ہے۔ وہ تکلیف سے چیختی ہے، دیواروں کو پکڑتی ہے، اس کا پورا جسم پسینے سے شرابور ہو جاتا ہے اور وہ درد کے اس دوزخ سے گزرتے ہوئے موت کو اپنے سامنے دیکھتی ہے۔ ہر ماں بچے کو جنم دیتے وقت گویا اپنی زندگی کا سودا کرتی ہے۔

پہلی مسکراہٹ: اور پھر جب وہ معصوم بچہ روتا ہوا اس دنیا میں آتا ہے، تو اپنی زندگی ہارنے والی ماں اس کی آواز سن کر اپنے سارے دکھ بھول جاتی ہے۔ وہ اپنے نڈھال اور نیم بے ہوش جسم کے ساتھ مسکراتی ہے اور اس بچے کو اپنے سینے سے لگا لیتی ہے جس نے اسے اتنی سخت تکلیف دی تھی۔

بچپن کی پرورش: راتوں کا جاگنا اور ناپاک بستر کی کہانی

بچہ دنیا میں آ تو جاتا ہے، لیکن اب ماں کی اپنی کوئی ذات نہیں رہتی۔ اس کی نیند، اس کا کھانا، اس کا آرام سب اس معصوم کے تابع ہو جاتا ہے۔

گیلے پر سونا، سوکھے پر سلانا: رات کے اندھیرے میں جب بچہ بستر پر پیشاب یا پاخانہ کر دیتا ہے، تو سردی کی ٹھٹھرتی راتوں میں بھی ماں اٹھتی ہے۔ اس کے پاس دوسرا بستر نہیں ہوتا تو وہ اپنے لاڈلے کو سوکھے حصے پر سلا دیتی ہے اور خود اس کے پیشاب سے بھیگے ہوئے گیلے اور ٹھنڈے بستر پر ساری رات گزار دیتی ہے تاکہ اس کے لال کو سردی نہ لگ جائے۔

اپنا خون پلانا: ماں کا دودھ کوئی عام پانی نہیں ہوتا، یہ ماں کے سفید خون کا نچوڑ ہوتا ہے۔ وہ اپنی چھاتی سے لگا کر اس بچے کو اپنا وجود پلاتی ہے۔ جب بچے کے دانت نکلتے ہیں اور وہ ماں کی چھاتی پر کاٹتا ہے، تو ماں تکلیف سے تڑپ اٹھتی ہے، اس کے زخموں سے خون نکل آتا ہے، لیکن وہ ممتا کے ہاتھوں مجبور ہو کر بچے کو خود سے دور نہیں کرتی، بلکہ روتے ہوئے بھی

اسے دودھ پلاتی رہتی ہے۔

بولنا اور چلنا سکھانا: بچہ جب بیمار ہوتا ہے اور اسے معمولی سا بخار ہوتا ہے، تو ماں کا کھانا پینا حرام ہو جاتا ہے۔ وہ رات بھر اس کے سرہانے بیٹھ کر پٹیاں رکھتی ہے، روتی ہے اور خدا سے کہتی ہے: یااللہ! اس معصوم کی تکلیف مجھے دے دے، میرے بچے کو شفا دے دے۔ وہ اسے ایک ایک لفظ بولنا سکھاتی ہے، اپنی انگلی پکڑ کر اسے گرتے سنبھلتے چلنا سکھاتی ہے۔

جوانی کا موڑ اور بیٹے کی بے حسی کا خنجر:

وہی معصوم بچہ، جس کے لیے ماں نے اپنی جوانی کی بہاریں، اپنا حسن اور اپنی صحت قربان کردی، اب جوان ہو جاتا ہے۔ اب اس کا اپنا ایک دوست احباب کا حلقہ ہوتا ہے، اس کی اپنی نوکری ہوتی ہے، اور پھر اس کی اپنی بیوی آ جاتی ہے۔

لہجے کی تلخی: افسوس! وہ بیٹا جس کی زبان ماں نے کھولی تھی، آج اسی زبان سے ماں کو کہتا ہے: ماں! تم کو کچھ معلوم نہیں ہے، تم خاموش رہا کرو، تم نے میرے لیے کیا ہی کیا ہے؟ یہ جملہ جب کسی بیٹے کے منہ سے نکلتا ہے، تو ماں کے کلیجے کے آر پار ہو جاتا ہے۔ ماں خاموشی سے اپنے کمرے میں جا کر روتی ہے اور اپنے پرانے دن یاد کرتی ہے جب یہ چھوٹا سا بچہ اس کے آنچل کے بغیر ایک پل نہیں جیتا تھا۔

وقت کی کمی: بیٹا اب ماں کے پاس بیٹھنے کو وقت ضائع کرنا سمجھتا ہے۔ وہ بیوی کے ساتھ ہنستا ہے، دوستوں کو گھماتا ہے، لیکن بوڑھی ماں گھر کے ایک اداس کونے میں بیٹھ کر اپنے اس لال کی ایک جھلک دیکھنے کو ترستی رہتی ہے جسے اس نے نو ماہ پیٹ میں پالا تھا۔

ایک بیٹے کے لیے تازیانہ (حاصلِ کلام)

اے نوجوان بیٹے! اگر تو آج اپنی زندگی میں مست ہے، تو ذرا کچھ دیر کے لیے تنہائی میں بیٹھ اور اپنے ان ہاتھوں کو دیکھ۔ ان ہاتھوں کو کبھی تیری ماں نے اپنے ہونٹوں سے چوما تھا۔ اپنی ماں کے چہرے کی جھریاں دیکھ، اس کی جھکی ہوئی کمر کو دیکھ، اس کے کانپتے ہوئے ہاتھوں کو دیکھ یہ جھریاں اور یہ بڑھاپا کسی اور نے نہیں، بلکہ تیری فرمائشوں اور تیرے بوجھ نے اسے دیا ہے۔
اگر تو نے کبھی اپنی ماں کا دل دکھایا ہے، کبھی اس کے سامنے اونچی آواز میں بات کی ہے، یا کبھی اسے معمولی سمجھ کر نظر انداز کیا ہے، تو خدا کے لیے ابھی جا! اس سے پہلے کہ وہ مٹی کی چادر اوڑھ کر قبر میں سو جائے اور تیرے پاس رونے کے لیے صرف پتھر رہ جائیں، جا کر اپنی ماں کے پیروں کو پکڑ لے، اپنے آنسوؤں سے اس کے قدموں کو دھو، اور اس سے معافی مانگ۔ کیونکہ ماں کا غصہ تو وقتی ہوتا ہے، لیکن اگر اس کے دل سے تیرے لیے آہ نکل گئی، تو دنیا اور آخرت کی کوئی طاقت تجھے تباہ ہونے سے نہیں بچا سکتی۔

۲۔ باب دوم

عظمتِ پدری اور اشکِ مصطفیٰ ﷺ

(سایۂ پدریت کا زوال اور نبوی تعلیمات کی روشنی)

وَاخْفِضْ لَهُمَا جَنَاحَ الذُّلِّ مِنَ الرَّحْمَةِ وَقُلْ رَّبِّ ارْحَمْهُمَا كَمَا رَبَّيَانِي صَغِيرًا

(سورہ بنی اسرائیل، آیت: ۲۴)

ترجمہ: اور ان کے لیے عاجزی کا بازو جھکا نرم دلی سے اور عرض کر کہ اے میرے رب ان دونوں پر رحم کر جیسا انھوں نے مجھے بچپن میں پالا۔

جو سر سے اٹھ گیا سایہ تو قہر ٹوٹ پڑا
ہمارے بخت کا جیسے سفینہ ڈوب گیا
شفیق باپ کا رخصت ہونا قیامت ہے
وہ ایک ہاتھ کیا ملوایا، جہاں چھوٹ گیا

حاضرینِ محفل اور واجب الاحترام بزرگو اور دوستو!

آج میں آپ کے سامنے محبت، درد اور آنسوؤں سے لبریز وہ سچا واقعہ بیان کرنے جا رہا ہوں، جسے سن کر میرے آقا، مکی مدنی مصطفیٰ ﷺ کی چشمانِ مبارک سے بھی آنسو جاری ہو گئے تھے۔ یہ واقعہ ایک بوڑھے باپ کی بے بسی، اس کے دل کی ہوک اور ایک بیٹے کی بے رخی کا آئینہ دار ہے۔

واقعہ کی تفصیل (حدیثِ پاک کی روشنی میں)

امام طبرانی "المعجم الصغیر" میں اور دیگر ائمہ احادیث نے نقل فرمایا ہے کہ:

ایک دن رحمتِ دوعالم ﷺ کی بارگاہِ اقدس میں ایک نوجوان حاضر ہوا۔ اس کے چہرے پر غصہ تھا اور دل میں شکایت۔ اس نے آ کر عرض کیا:

"یارسول اللہ ﷺ! میرا باپ مجھ پر ظلم کرتا ہے۔ میں دن رات محنت کرتا ہوں، پسینہ بہاتا ہوں، کما کر لاتا ہوں، لیکن میرا بوڑھا باپ میری مرضی کے بغیر میری کمائی (تنخواہ) میں سے جو چاہتا ہے لے لیتا ہے، مجھے کچھ نہیں دیتا۔ یارسول اللہ ﷺ! میرے باپ کو بلایئے اور میرا حق مجھے دلایئے!

عدالتِ مصطفیٰ ﷺ لگی ہوئی تھی۔ آقا ﷺ نے ارشاد فرمایا: "جاؤ، اس کے باپ کو بلا کر لاؤ۔" جب وہ نوجوان اپنے باپ کو بلانے گیا، تو اسی دوران اللہ کے امین، حضرت جبرئیل علیہ السلام بارگاہِ رسالت میں حاضر ہوئے اور عرض کیا:

یارسول اللہ ﷺ! جب اس نوجوان کا بوڑھا باپ آپ کی بارگاہ میں حاضر ہو، تو اس سے پوچھیے گا کہ وہ کون سے کلمات ہیں جو اس نے راستے میں آتے ہوئے اپنے دل ہی دل میں کہے ہیں، جنہیں اس کے اپنے کانوں نے بھی نہیں سنا، لیکن آسمان کے رب نے سن لیا ہے؟

بوڑھے باپ کی بے بسی اور آقا ﷺ کا سوال:

تھوڑی دیر میں وہ بوڑھا باپ بارگاہِ نبوت میں حاضر ہوا۔ لاٹھی کے سہارے چلتا ہوا، کپکپاتے ہونٹ، جھکی ہوئی کمر، آنکھوں میں آنسو اور چہرے پر زمانے کی ٹھوکروں کے نشان۔ مظلومِ کائنات ﷺ نے اس بوڑھے باپ کو دیکھا اور نرمی سے پوچھا: اے بوڑھے شخص! تمہارا بیٹا شکایت کرتا ہے کہ تم اس کی کمائی لے لیتے ہو، سچ کیا ہے؟

اس بوڑھے باپ نے ایک سرد آہ بھری، اپنے بیٹے کی طرف دیکھا اور رو کر عرض کیا:

یارسول اللہ ﷺ! اس سے پوچھیے کہ وہ وقت جب یہ کمزور تھا، یہ بیمار ہوتا تھا تو میں اپنی

راتوں کی نینداس پر قربان کرتا تھا؟ جب اس کے پاس طاقت نہیں تھی، میں اپنی کلوکلو بھر کی کمائی اس کے منہ میں ڈالتا تھا؟ آج یہ جوان ہوگیا، اس کے پاس مال آگیا اور میں بوڑھا اور بیمار ہوگیا، تو اس نے اپنی دولت کی تھیلی مجھ سے چھپالی!

بوڑھے باپ کی یہ بات سن کر محفل میں ایک سکتہ طاری ہوگیا۔ پھر سلطانِ مدینہ ﷺ نے فرمایا: یہ بات تو ہوگئی، مجھے یہ بتاؤ کہ جب تم گھر سے یہاں آرہے تھے، تو راستے میں تم نے اپنے دل میں کیا اشعار پڑھے تھے، جنہیں تمہاری زبان نے بھی ظاہر نہیں کیا؟

وہ بوڑھا باپ حیران رہ گیا! اس نے تڑپ کر عرض کیا: "یا رسول اللہ ﷺ! خدا کی قسم! آپ واقعی اللہ کے سچے رسول ہیں، میرے دل کی بات اللہ کے سوا کوئی نہیں جانتا تھا۔ جی ہاں! میں نے راستے میں اپنے دل میں اپنے بیٹے کے لیے کچھ شکوہ کیا تھا۔

وہ دردناک اشعار (دل ہلا دینے والا شکوہ)

آقا ﷺ نے فرمایا: وہ اشعار ہمیں بھی سناؤ۔ اس بوڑھے باپ نے روتے ہوئے اپنے دل کا وہ نوحہ پڑھنا شروع کیا، جسے سن کر پتھر بھی پگھل جائیں۔ اس نے کہا:

غَـذَوْتُكَ مَـوْلُوداً وَعُلْتُكَ نَافِعاً (اے میرے بیٹے!) میں نے تجھے بچپن میں غذا دی، اور جوان ہونے تک تیری ہر ضرورت پوری کی۔ تُعَلُّ بِمَا أُدْنِي إِلَيْكَ وَتَنْهَلُ، جو کچھ میں کما کر لاتا تھا، تو اس میں سے سیراب ہوتا اور عیش کرتا تھا۔ إِذَا لَيْـلَةٌ ضَـافَتْكَ بِـالسُّقْـمِ لَمْ أَبِـتْ، جب کسی رات تجھے کوئی بیماری یا تکلیف پہنچتی، تو میں تیرے دکھ میں ساری رات جاگتا رہتا تھا۔ لِشَـكْـوَاكَ إِلاَّ سَـاهِراً أَتَمَلْمَلُ، تیری تکلیف پر میں ایسے تڑپتا تھا جیسے بیماری تجھے نہیں، مجھے لگی ہو۔ تَخَافُ الرَّدَى نَفْسِي عَلَيْكَ وَإِنَّهَا، میرا دل تیرے لیے موت سے ڈرتا

تھا۔لَتَعْلَمُ أَنّ الْمَوْتَ وَقْتٌ مُؤَجّلٌ،حالانکہ میں جانتا تھا کہ موت کا ایک وقت مقرر ہے۔ مگر میں تیرے لیے بے چین رہتا تھا۔

(مگر افسوس!) جب تو اس عمر کو پہنچ گیا جہاں مجھے تجھ سے امیدیں تھیں اور تو جوان ہو گیا...

جَعَلْتَ جَزَائِي غِلْظَةً وَفَظَاظَةً، تو تو نے میری محبتوں کا صلہ سخت کلامی اور بے رخی کی شکل میں دیا! کَأَنّكَ أَنْتَ الْمُنْعِمُ الْمُتَفَضِّلُ، تو مجھ سے ایسے بات کرتا ہے جیسے مجھ پر کوئی احسان کر رہا ہو، جیسے تو میرا باپ ہو اور میں تیرا غلام ہوں!

فَلَيْتَكَ إِذْ لَمْ تَرْعَ حَقَّ أُبُوَّتِي، کاش! اگر تو میرے باپ ہونے کا حق ادا نہیں کر سکتا تھا...

فَعَلْتَ كَمَا يَفْعَلُ الْجَارُ الْمُجَاوِرُ، تو مجھ سے ایک غیر اور پڑوسی جیسا سلوک ہی کر لیتا کہ پڑوسی بھی بوڑھوں کا کچھ لحاظ کر لیتے ہیں!

مصطفیٰ ﷺ کے آنسو اور تاریخی فیصلہ:

حاضرینِ محفل! جب اس بوڑھے باپ نے یہ اشعار مکمل کیے، تو محفل کا منظر بدل چکا تھا۔ راوی فرماتے ہیں کہ: رحمتِ عالم ﷺ کی چشمانِ مبارک سے آنسوؤں کی جھڑی لگ چکی تھی، آپ ﷺ کا ریشِ مبارک (داڑھی شریف) آنسوؤں سے تر ہو چکی تھی۔

آقا ﷺ جلال میں آ گئے۔ آپ ﷺ نے اس نافرمان اور سنگدل بیٹے کی طرف دیکھا، اس کا گریبان پکڑا اور اسے جھٹکا دیتے ہوئے وہ تاریخی جملہ ارشاد فرمایا جو قیامت تک کے بیٹوں کے لیے قانون بن گیا:

تو اور تیرا سارا مال، تیری ساری تنخواہ، تیرے باپ کی ہے!

(جاؤ، تمہاری کوئی اوقات نہیں، تم خود بھی اور تمہاری کمائی بھی تمہارے باپ کی ملکیت ہے!)

میرے عزیز دوستو! یہ ہے باپ کا مقام! جس باپ نے ہمیں چلنا سکھایا، اپنی ہڈیاں پگھلا کر ہمیں جوان کیا، آج ہم چار پیسے کمانے کے قابل ہو گئے تو باپ کی تنخواہ پر حساب مانگتے ہیں؟ یاد رکھیے، باپ جنت کا بیچ کا دروازہ ہے۔ اگر باپ راضی ہے تو رب راضی ہے، اگر باپ ناراض ہے تو مصطفیٰ ﷺ بھی ناراض اور عرش کا مالک بھی ناراض۔

اللہ تعالیٰ ہمیں اپنے والدین کا فرمانبردار بنائے، ان کے سامنے اف کہنے سے بھی بچائے اور ان کی سچی خدمت کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

۳۔ باب سوم

رخصتیِ دُختر

(فراقِ ابوین اور صدماتی کیفیت کا آغاز)

فَلَمَّا دَخَلُوا عَلٰی یُوسُفَ اٰوٰی إِلَیۡهِ أَبَوَیۡهِ وَقَالَ ادۡخُلُوا مِصۡرَ إِنۡ شَاءَ اللّٰهُ اٰمِنِیۡنَ۔

(سورہ یوسف، آیت: ۹۹)

ترجمہ: پھر جب وہ یوسف کے پاس پہنچے اس نے اپنے ماں باپ کو اپنے پاس جگہ دی اور کہا مصر میں آ ؤ اللہ چاہے تو امان کے ساتھ۔

کلیجہ پھٹتا ہے بیٹی کی جب جدائی ہو
مکانِ باپ پہ آفت سی ایک آئی ہو
چلی ہے چھوڑ کے آنسو، بچھا کے یادوں کو
ہر ایک سانس سے اب حسرتِ دہائی ہو

ایک مقدس ہجرت اور کائنات کا سب سے گداز کن منظر:

انسانی رشتوں کے تانے بانے میں محبت اور ایثار کا سب سے نازک، معطر اور رقت آمیز شاہکار "بیٹی" کا وجود ہے۔ وہی وجود جس کے پاؤں کی آہٹ سے باپ کا گھر چہکتا ہے، جس کے آنچل سے ممتا کی خوشبو آتی ہے، اور جس کی ہنسی بھائی بہنوں کے لیے زندگی کا حاصل ہوتی ہے۔ لیکن اسی وجود کے ساتھ ایک عالمگیر اور ازلی حقیقت جڑی ہے، جسے رخصتی کہتے ہیں۔

رخصتی محض ایک تقریب کا نام نہیں، نہ ہی یہ صرف ایک گھر سے دوسرے گھر کا سفر ہے۔ یہ

ایک باپ کی عمر بھر کی کمائی کا دوسرے کے ہاتھ میں سونپا جانا ہے، یہ ایک ماں کے کلیجے کے ٹکڑے کا خود سے جدا ہونا ہے، اور ایک بیٹی کے لیے اپنی مٹی، اپنی جڑوں اور اپنی شناخت کو چھوڑ کر ایک نئی دنیا میں سانس لینے کا نام ہے۔ اس لمحے جو درد، جو کرب اور جو روحانی کیفیت پورے گھر پر طاری ہوتی ہے، وہ الفاظ کے دائرے میں نہیں آ سکتی، اسے صرف آنسوؤں کی زبان سے پڑھا جا سکتا ہے۔

رخصتی کا لمحہ اور بیٹی کے دل کا اضطراب:

جس گھر کے آنگن میں بیٹی نے پہلا قدم رکھا، جہاں اس کی ہنسی کی گونج دیواروں میں جذب ہوئی، جہاں کی گڑیاں، جہاں کی سہیلیوں کے قصے، اور جہاں کی صبح و شام اس کی ذات کا حصہ بن چکے تھے — آج ان سب سے منہ موڑنے کا وقت آ گیا ہے۔

بیٹی کے دل پر اس وقت دوہرے جذبات کا ہجوم ہوتا ہے۔ ایک طرف نئے سفر کی امید اور حیا کا حجاب ہوتا ہے، تو دوسری طرف بچھڑنے کا وہ جانکاہ کرب ہوتا ہے جو اندر ہی اندر اس کا گلا گھونٹ رہا ہوتا ہے۔ وہ جب اپنے کمرے کی چیزوں کو دیکھتی ہے، اپنی الماری، اپنی کتابیں، اور وہ صحن جہاں وہ کل تک بے فکری سے گھوما کرتی تھی، تو اسے لگتا ہے کہ اس کی روح کا ایک ایک حصہ اس مکان کی مٹی سے بندھا ہوا ہے جسے آج جبرِ مسلسل کے ساتھ کھینچا جا رہا ہے۔ وہ ڈولی میں بیٹھتے ہوئے یہ سوچنے پر مجبور ہوتی ہے کہ: "آج تک جس گھر کو میں نے اپنا کہا، وہ میرا نہیں تھا؟ اور جہاں میں جا رہی ہوں، کیا وہ واقعی میرا ہو جائے گا؟

باپ کا مان اور اس کا خاموش صدمہ:

معاشرہ باپ کو ایک مضبوط، سنگِ گراں اور بے حس چٹان کے طور پر دیکھتا ہے جو مصائب

کے سامنے نہیں جھکتا۔لیکن ایک بیٹی کا باپ دنیا کا سب سے کمزور انسان بن جاتا ہے جب رخصتی کی گھڑی آتی ہے۔باپ نے اس ننھی پری کو اپنی گود میں کھلایا ہوتا ہے،اس کی ہر ضد کو پورا کرنے کے لیے اپنی جان کھپائی ہوتی ہے،اس کی ایک چھوٹی سی تکلیف پر اس کی راتوں کی نیندیں حرام ہوئی ہوتی ہیں۔

جب رخصتی کا وقت آتا ہے اور بیٹی باپ کے گلے لگتی ہے،تو باپ کی وہ مضبوط چٹان ریت کی دیوار کی طرح ڈھیر ہو جاتی ہے۔وہ باپ جو کبھی کسی کے سامنے نہیں رویا،اس کی داڑھی بیٹی کے آنسوؤں سے تر ہو جاتی ہے۔اس لمحے باپ کی پیٹھ جھک جاتی ہے،اسے یوں محسوس ہوتا ہے جیسے اس کے جسم سے روح کھینچ لی گئی ہو۔وہ اپنی غیرت،اپنی محبت اور اپنی لاڈلی کو کسی دوسرے کے حوالے کرتے ہوئے اندر سے بالکل خالی ہو جاتا ہے۔وہ اپنی زبان سے تو کچھ نہیں کہہ پاتا،لیکن اس کی کانپتی ہوئی باہیں اور اس کا جھکا ہوا سر یہ گواہی دیتا ہے کہ آج اس نے اپنی زندگی کا سب سے بڑا اثاثہ دان کر دیا ہے۔

ماں کی تڑپ اور کلیجے کی چیر پھاڑ:

اگر باپ بیٹی کا مان ہے،تو ماں اس کا وجود ہے۔ماں اور بیٹی کا رشتہ سہیلیوں جیسا ہوتا ہے۔وہ ماں جس نے نو ماہ اسے پیٹ میں پالا،پھر انگلی پکڑ کر چلنا سکھایا،سلیقہ سکھایا،اور ہر دکھ سکھ میں اسے اپنے سینے سے لگا کر رکھا،آج وہی ماں اپنے ہاتھوں سے اپنی لختِ جگر کا آنچل کسی دوسرے کے ہاتھ میں تھماتی ہے۔

جب رخصتی کا نعرہ بلند ہوتا ہے،تو ماں کا جگر پاش پاش ہو جاتا ہے۔اسے وہ تمام دن یاد آنے لگتے ہیں جب یہ ننھی جان اس کے پیچھے پیچھے گھوما کرتی تھی۔ماں کی چیخیں اور اس کا

تڑپنا اس درد کا عکاس ہوتا ہے جو کلیجے کے کٹنے سے پیدا ہوتا ہے۔ وہ بار بار اپنی بیٹی کا چہرہ چومتی ہے، اس کی بلائیں لیتی ہے، اور دل ہی دل میں خدا سے دعا کرتی ہے کہ جو لاڈ اور پیار اس نے اپنی بیٹی کو دیا، اس کا سسرال بھی اسے اسی طرح پلکوں پر بٹھا کر رکھے۔ ماں کے لیے یہ لمحہ ایک ایسی موت کی مانند ہوتا ہے جس میں انسان زندہ رہتا ہے لیکن اس کا سانس اکھڑ جاتا ہے۔

بھائی کی بے بسی اور بہن کا سونا آنگن:

بھائی اور بہن کا رشتہ لڑائی جھگڑوں، معصوم شرارتوں اور ایک دوسرے کے تحفظ کے عہد سے عبارت ہوتا ہے۔ بھائی کے لیے بہن اس کے گھر کی عزت بھی ہوتی ہے اور اس کا مان بھی۔ جس بہن کے لیے بھائی کبھی باہر سے چیزیں لاتا تھا، جس سے ہر بات شیئر کرتا تھا، آج وہ بہن اس سے جدا ہو رہی ہے۔ رخصتی کے وقت بھائی کا دل خون کے آنسو روتا ہے۔ وہ صنفِ نازک کے سامنے اپنے آنسو چھپانے کی کوشش کرتا ہے، مردانگی کا لبادہ اوڑھ کر کونے میں کھڑا ہو جاتا ہے، لیکن جب بہن اس کے گلے لگ کر روتی ہے، تو بھائی کا ضبط بھی جواب دے جاتا ہے۔ وہ بھائی جو بہن پر کبھی رعب جماتا تھا، آج اس کے سامنے ہاتھ باندھے کھڑا ہوتا ہے کہ میری لاڈلی بہن، اگر مجھ سے کبھی کوئی خطا ہوئی ہو تو معاف کر دینا۔ بہن کے جانے کے بعد گھر کا جو آنگن سونا ہوتا ہے، اس کا سب سے پہلا اور گہرا احساس بھائی کو ہی ہوتا ہے، کیونکہ اب اس کے پاس لڑنے کے لیے، اور محبت جتانے کے لیے وہ ہستی موجود نہیں ہوتی۔

شرعی اور عالمانہ نکتہ: ایک دردناک مگر عظیم قربانی

اسلام نے بیٹی کی رخصتی کو ایک مقدس فریضہ اور ایک نئے خاندان کی بنیاد قرار دیا ہے۔ لیکن شریعتِ مطہرہ نے فطرتِ انسانی کے اس درد کو کبھی مسترد نہیں کیا۔ خود سرکارِ دو عالم، احمدِ

مجتبیٰ ﷺ نے جب خاتونِ جنت، سیدہ فاطمۃ الزہرا رضی اللہ عنہا کو رخصت کیا، تو آپ ﷺ کی آنکھیں بھی اشکبار تھیں اور آپ ﷺ نے سیدنا علی المرتضیٰ رضی اللہ عنہ کو اپنی جانِ جاں سونپتے ہوئے خصوصی وصیتیں فرمائیں۔

یہ اس بات کی دلیل ہے کہ بیٹی کی رخصتی پر رونا، تڑپنا اور غمگین ہونا عینِ فطرتِ انسانی ہے۔ یہ ایک ایسی قربانی ہے جو صرف ایک مسلمان خاندان ہی دے سکتا ہے۔ وہ وجود جو کل تک کسی اور کا تھا، آج ایک نکاح کے مقدس بول کے ذریعے کسی دوسرے کے گھر کی ملکہ بننے جا رہا ہے۔

حاصلِ کلام:

جب ڈولی (یا گاڑی) گھر کے دروازے سے نکلتی ہے، اور پیچھے ماں باپ کھڑے ہاتھ ہلاتے ہیں، تو زمین و آسمان بھی اس درد پر گواہی دیتے ہیں۔ گھر کی دیواریں اداس ہو جاتی ہیں، برتن خاموش ہو جاتے ہیں، اور پورے محلے پر ایک سکوت طاری ہو جاتا ہے۔ بیٹی کی رخصتی دراصل دنیا کا وہ واحد منظر ہے جہاں خوشی اور غم اس طرح گلے ملتے ہیں کہ ہنسی غائب ہو جاتی ہے اور صرف آنسو باقی رہ جاتے ہیں۔ یہ وہ دردناک اور رقت آمیز عالم ہے جسے کائنات کا ہر باپ، ہر ماں اور ہر بھائی اپنی زندگی میں ایک نہ ایک بار ضرور بھگتتا ہے۔

۴۔ باب چہارم

ازدواجی دوزخ اور رشتوں کی زوال پذیری

(خانگی ناچاقیاں اور رشتوں کی مقتل گاہ)

وَعَاشِرُوْهُنَّ بِالْمَعْرُوفِ فَإِنْ كَرِهْتُمُوْهُنَّ فَعَسٰىٓ اَنْ تَكْرَهُوْا شَيْئًا وَّيَجْعَلَ اللّٰهُ فِيهِ خَيْرًا كَثِيْرًا (سورہ النساء، آیت:۱۹)

ترجمہ: اور ان سے اچھا برتاؤ کرو پھر اگر وہ تمہیں پسند نہ آئیں تو قریب ہے کہ کوئی چیز تمہیں ناپسند ہو اور اللہ اس میں بہت بھلائی رکھے۔

جو گھر تھا امن کا، مقتل وہ اب دکھائی دے
ہر ایک سمت سے نفرت کی اب دہائی دے
اجڑ گئیں وہ جو امیدیں بسائی تھیں ہم نے
ہر ایک موڑ پہ ظلمت ہی اب دکھائی دے

آغازِ محبت کا سنہری خواب اور آج کا بھیانک سراب:

مشرقی معاشرے میں "نکاح" صرف دو وجودوں کا ملاپ نہیں، بلکہ دو روحوں کے درمیان ایک ایسا مقدس اور پُرخلوص معاہدہ ہے جس کی بنیاد میاں بیوی کی باہمی محبت، ایثار اور وفاداری پر رکھی جاتی ہے۔لیکن انسانی زندگی کا سب سے بڑا اور تڑپا دینے والا المیہ یہ ہے کہ جو دو انسان کل تک ایک دوسرے کے بغیر جینے کا تصور بھی نہیں کر سکتے تھے، جن کی دنیا ایک دوسرے کی مسکراہٹ سے شروع ہو کر اسی پر ختم ہوتی تھی، آج وہ ایک دوسرے کی شکل

دیکھنے کے روادار نہیں ہیں۔ وہ محبت جو کبھی الٰہی رحمت کا سایہ محسوس ہوتی تھی، آج انا، طعنوں اور عیب جوئی کے دوزخ میں تبدیل ہو چکی ہے۔

آیئے اس ازدواجی سفر کا وہ تفصیلی اور دل دوز نقشہ دیکھیں، جسے پڑھ کر ہر شوہر اور ہر بیوی کا دل خون کے آنسو روئے گا اور وہ اپنے ماضی کی محبت کو یاد کر کے سسکنے پر مجبور ہو جائیں گے۔

آغازِ محبت کا وہ سنہری دور: جب کائنات صرف تم تک تھی:

نئی نئی شادی اور وہ بے خودی کا عالم: وہ بھی کیا دن تھے جب نکاح کے بعد زندگی کا ایک نیا اور خوبصورت باب شروع ہوا تھا۔ جب دولہا اور دلہن کے دلوں میں ایک دوسرے کے لیے سچی تڑپ اور بے پناہ محبت رچی بسی تھی۔ شوہر کے لیے اس کی بیوی دنیا کی سب سے عزیز، سب سے خوبصورت اور سب سے قیمتی نعمت بن چکی تھی، جس کے لیے وہ اپنے دوست احباب، اپنی مصروفیات، یہاں تک کہ پوری دنیا کو پسِ پشت ڈالنے کے لیے تیار تھا۔ بیوی کے لیے بھی اس کا شوہر اس کا مجازِ خدا، اس کا محافظ اور اس کی کائنات کا سرتاج تھا، جس کے نام کا سہرہ سجائے وہ اپنے ماں باپ کا گھر چھوڑ کر آئی تھی۔

پل پل کی خبر اور ساتھ جینے کے عہد: اس دور میں میاں بیوی کا اٹھنا، بیٹھنا، کھانا، پینا، سونا اور گھومنا پھرنا سب ایک دوسرے کے ساتھ وابستہ تھا۔ شوہر گھر سے باہر جاتا تو دل اس کا گھر پر ہی لگا رہتا تھا؛ وہ دفتر یا کام کی جگہ سے پل پل کی خبر اپنی بیوی کو دیتا تھا کہ میں نے کھانا کھا لیا، میں نے یہ کام کیا، اب میں گھر لوٹ رہا ہوں۔ بیوی بھی شوہر کے آنے کے انتظار میں صحن کی دہلیز پر نظریں جمائے بیٹھی رہتی تھی۔ جب دونوں ساتھ بیٹھ کر کھانا کھاتے، تو نوالے محبت کے رنگ میں ڈوبے ہوتے تھے۔ ذرا سی بات پر ہنسنا، ایک دوسرے کے دکھ سکھ

کو اپنا سمجھنا، اور راتوں کو دیر تک جاگ کر مستقبل کے حسین خواب بننا— یہ وہ سنہری دور تھا جہاں محبت اپنے پورے عروج پر تھی۔

محبتوں کا جنازہ اور دشمنی کا آغاز: اور آج ... کچھ مہینے یا کچھ سال کیا گزرے، وہ ساری محبتیں، وہ سارے عہد و پیماں اور وہ حسین یادیں خاک میں مل گئیں۔ وہ دو دل جو کبھی ایک دھڑکن تھے، آج ایک دوسرے کے لیے سب سے بڑے دشمن بن چکے ہیں۔ آج اسی گھر کی دیواریں، جہاں کبھی محبت کے قہقہے گونجتے تھے، آج وہاں طعنوں، چیخ و پکار اور گالیوں کا شور سنائی دیتا ہے۔ میاں بیوی ایک دوسرے کا دل بہلانے کے بجائے ایک دوسرے کی زندگی کو دوزخ بنانے پر تل گئے ہیں۔

بات بات پر لڑائی اور عیب جوئی کا بازار: آج میاں بیوی میں سے کوئی ایک دوسرے کو برداشت کرنے کے لیے تیار نہیں ہے۔ بات بات پر لڑائی کرنا، پرانے مردوں کو اکھاڑنا اور طعنے دینا روز کا معمول بن چکا ہے۔

بیوی کا شوہر کے اندر عیب نکالنا: وہ بیوی جو کبھی شوہر کی ہر بات پر مسکراتی تھی، آج وہ اپنے شوہر کے اندر ہزار عیب ڈھونڈتی ہے۔ اس کی کمائی کو حقیر سمجھنا، اس کے خاندان کو طعنے دینا، اس کے پہننے اوڑھنے اور اس کے ہر انداز پر تنقید کرنا اس کا شیوہ بن چکا ہے۔ وہ شوہر کی ہر قربانی کو بھلا کر احسان فراموشی کی حدوں کو چھونے لگتی ہے اور کہتی ہے: تم نے مجھے دیا ہی کیا ہے؟ میری تو زندگی ہی تمہارے ساتھ برباد ہوگئی!

شوہر کا بیوی کی محنتوں کو بھول جانا: دوسری طرف، شوہر بھی اسی بے حسی کا شکار ہو چکا ہے۔ وہ یہ بھول گیا کہ یہ وہی لڑکی ہے جو اپنا سب کچھ چھوڑ کر اس کے گھر آئی تھی۔ شوہر اب

بیوی کے اندر عیب نکالتا ہے، اس کے روپ کو ناپسند کرتا ہے، اور دن بھر گھر اور بچوں کو سنبھالنے میں جو وہ اپنی جوانی گھلا رہی ہے، اس کی محنتوں کو ایک پل میں یہ کہہ کر اڑا دیتا ہے کہ: تم دن بھر گھر میں کرتی ہی کیا ہو؟

ایک دوسرے کی شکایتیں اور زندگی کا دوبھر ہونا: آج میاں بیوی ایک دوسرے کا پردہ بننے کے بجائے ایک دوسرے کے رازوں کو اپنوں اور غیروں کے سامنے فاش کرتے ہیں۔ بیوی اپنے مائیکے جا کر شوہر کا روتی ہے، اور شوہر اپنے دوستوں اور گھر والوں کے سامنے بیوی کی برائیاں کرتا ہے۔ دونوں نے ایک دوسرے کا جینا اس قدر دوبھر کر دیا ہے کہ اب ایک ہی چھت کے نیچے رہتے ہوئے بھی ان کے درمیان میلوں کی دوری آ چکی ہے۔ وہ ساتھ سوتے تو ہیں، لیکن ان کی پیٹھ ایک دوسرے کی طرف ہوتی ہے اور دلوں میں نفرت کا زہرا بھر رہا ہوتا ہے۔

شوہر اور بیوی کو جھنجھوڑنے والا فکری و اصلاحی پیغام (حاصلِ کلام)

اے میرے معاشرے کے شوہروں اور بیویوں! ذرا ایک پل کے لیے اپنے غصے اور انا کو ایک طرف رکھو اور تنہائی میں بیٹھ کر اپنے اس نکاح کے پہلے دن کو یاد کرو۔ جب تم نے خدا کو گواہ بنا کر ایک دوسرے کا ہاتھ تھاما تھا، کیا اس دن تمہارا یہی ارادہ تھا کہ تم ایک دوسرے کی زندگی کو جہنم بنا دو گے؟

اے بیوی! ذرا سوچ، جس شوہر کے سامنے تو آج زبان چلاتی ہے، عیب نکالتی ہے، وہ تیرے نخرے اٹھانے اور تیرا پیٹ بھرنے کے لیے پردیس کی دھوپ میں یا دنیا کی ٹھوکروں میں اپنی جوانی کا خون بیچتا ہے۔ اس کے احسانات کو اس طرح خاک میں نہ ملا کہ خدا کی لاٹھی تجھ پر برس جائے۔

اے شوہر! تو بھی ذرا دیکھ، جس بیوی کو تو آج معمولی سمجھ کر اس کی محنتوں کو جھٹلاتا ہے، وہ تیرے گھر کی عزت ہے، تیرے بچوں کی ماں ہے، جس نے تیرے گھر کو آباد کرنے کے لیے اپنی

ماں کی آغوش اور باپ کا لاڈ قربان کردیا۔ اس صنفِ نازک پر اپنے مرد ہونے کا ناجائز رعب نہ جما۔

خدا کے لیے آج ہی اپنے اس رشتہ ازدواج کو بچالو۔ اس سے پہلے کہ طلاق اور علیحدگی کی نوبت آجائے، اس سے پہلے کہ تمہارے معصوم بچے اس خانگی جنگ کی سولی پر چڑھ جائیں، اور اس سے پہلے کہ موت تم میں سے کسی ایک کو ہمیشہ کے لیے اٹھا کر لے جائے اور زندہ رہ جانے والا عمر بھر قبر کی پائنتی بیٹھ کر روتا رہے — آج ہی ایک دوسرے کو معاف کردو۔ اپنی پرانی محبتوں کو یاد کرو، ایک دوسرے کی خطاؤں سے درگزر کرو، کیونکہ میاں بیوی کا رشتہ لڑنے کے لیے نہیں، بلکہ ایک دوسرے کا لباس بن کر زندگی کے کٹھن سفر کو پرسکون بنانے کے لیے ہوتا ہے۔

۵۔باب پنجم

جوائنٹ فیملی کا بکھراؤ

(مشترکہ خاندانی نظام کا انحطاط اور انفرادیت کا المیہ)

وَاتَّقُوا اللّٰهَ الَّذِیْ تَسَائَلُوْنَ بِهٖ وَالْاَرْحَامَ اِنَّ اللّٰهَ كَانَ عَلَيْكُمْ رَقِيْبًا (سورہ النساء، آیت:۱)

ترجمہ: اور اللہ سے ڈرو جس کے نام پر مانگتے ہو اور رشتوں کا لحاظ رکھو بے شک اللہ ہر وقت تمہیں دیکھ رہا ہے۔

جو مل کے رہتے تھے، اب وہ مکان بکھرنے لگے
ہنستے کھیلتے کنبے، وہ سارے اجڑنے لگے
انا کی جنگ نے رشتوں کو کر دیا ٹکڑے
پناہ ملتی جہاں تھی، وہ سائے گھٹنے لگے

ایک مکان کا بٹوارا اور بوڑھے ماں باپ کے جگر کے ٹکڑے:

انسانی زندگی کے المیوں میں سب سے اندوہناک اور جگر دوز المیہ وہ ہوتا ہے جہاں اپنوں کے ہاتھوں اپنوں کا خون تو نہیں بہتا، لیکن جیتے جی رشتے دفن ہو جاتے ہیں۔ مشرقی معاشرے کی خوبصورتی اس کا "مشترکہ خاندانی نظام" (Joint Family System) ہے، جہاں ایک ہی چھت کے نیچے خوشیاں ضرب پاتی ہیں اور غم تقسیم ہوتے ہیں۔ لیکن جب اسی چمن کو کسی کی نظر لگ جاتی ہے، اور وہ بیٹا — جسے ماں نے خونِ جگر سے پالا اور باپ نے اپنے کندھوں پر بٹھا کر دنیا دکھائی — شادی کے چند دن یا چند سال بعد حالات سے مجبور ہو کر،

بیوی کے اصرار پر یا رشتوں کی باہمی چپقلش سے تنگ آ کر اپنا بستر الگ کر لیتا ہے، تو وہ لمحہ پورے خاندان کے لیے ایک زندہ جنازے کی مانند ہوتا ہے۔

یہ صرف ایک مکان کا بٹوارا نہیں ہوتا، یہ ایک جیتی جاگتی کائنات کا اجڑنا ہے۔ اس کڑوے اور دردناک موڑ پر بوڑھے ماں باپ اور خود اس بیٹے کے دل پر کیا گزرتی ہے، اسے تفصیل کے ساتھ ذیل کی سطروں میں محسوس کیا جا سکتا ہے۔

بوڑھے ماں باپ کے دل پر مچنے والی قیامت:

ماں باپ کے لیے جوان بیٹا اس بڑھاپے کی لاٹھی ہوتا ہے جس کے سہارے وہ اپنی زندگی کی آخری منزلیں طے کرنے کا خواب دیکھتے ہیں۔ انہوں نے اس امید پر اپنے ارمان قربان کیے ہوتے ہیں کہ جب ہمارے ہاتھ کانپیں گے اور نظر دھندلا جائے گی، تو یہ بیٹا ہمارا سہارا بنے گا۔

ماں کی تڑپ اور ویران آنکھیں:

جس ماں نے بیٹے کے لیے راتوں کی نیندیں حرام کیں، جو اس کے پاؤں میں چبھنے والے کانٹے پر تڑپ اٹھتی تھی، جب وہ دیکھتی ہے کہ اسی بیٹے کے کمرے کا سامان الگ ہو رہا ہے، برتن گنے جا رہے ہیں، اور چولہا الگ بچھایا جا رہا ہے، تو ماں کا جگر پاش پاش ہو جاتا ہے۔ ماں کچن کے ایک کونے میں بیٹھ کر اپنی چادر کے پلو سے آنسو پونچھتی ہے اور سوچتی ہے: کیا یہ وہی لال ہے جو میرے بغیر نوالا نہیں توڑتا تھا؟ آج اس کا چولہا الگ ہو گیا، آج میری پکی ہوئی روٹی اس کے لیے پرائی ہو گئی؟

باپ کا ٹوٹتا ہوا مان اور خاموش سسکیاں:

باپ، جو گھر کا سربراہ ہوتا ہے، اس صدمے کو اندر ہی اندر پی جاتا ہے۔ وہ بیٹا جو اس کی

غیرت تھا، جس کے بازو پر اسے ناز تھا، آج وہ اس کے سامنے کھڑے ہو کر اپنے حصے کا تقاضا کرتا ہے یا الگ ہونے کا اعلان کرتا ہے۔ باپ کی کمر اس دن جھک جاتی ہے۔ وہ خاموشی سے صحن میں بیٹھ کر شونیج کی لکڑی کی طرح اندر ہی اندر جلتا ہے۔ وہ دنیا کو تو یہ دکھاتا ہے کہ وہ مضبوط ہے، لیکن جب رات کے اندھیرے میں سب سو جاتے ہیں، تو وہ اپنے بوڑھے ہاتھوں کو اٹھا کر خدا کے سامنے روتا ہے کہ: یا اللہ! میں نے کہاں کمی چھوڑ دی تھی کہ میرا اپنا خون مجھ سے پرایا ہو گیا؟

اس مجبور بیٹے کے دل کا کرب اور اندرونی جنگ:

معاشرہ اکثر ایسے موقعوں پر صرف بیٹے کو قصوروار ٹھہراتا ہے، لیکن بہت سے حالات میں وہ بیٹا خود ایک دوزخ سے گزر رہا ہوتا ہے۔ وہ کوئی پتھر کا انسان نہیں ہوتا، اس کے اندر بھی ایک دل ہوتا ہے جس میں ماں کی ممتا، باپ کا احترام اور بھائیوں کا پیار رچا بسا ہوتا ہے۔

فرض اور محبت کی چکی میں پسنا:

وہ بیٹا ایک ایسی چکی میں پس رہا ہوتا ہے جہاں ایک طرف اس کے وہ والدین ہیں جنہوں نے اسے زندگی دی، اور دوسری طرف وہ بیوی ہے جو اپنا سب کچھ چھوڑ کر اس کے نام پر آئی ہے۔ جب گھر میں روز روز کے جھگڑے، طعنے اور ذہنی اذیت حد سے بڑھ جاتی ہے، اور بیوی روزانہ علیحدگی کا مطالبہ کرتی ہے یا والدین کی طرف سے دباؤ بڑھتا ہے، تو وہ مجبور ہو جاتا ہے۔

الگ ہوتے وقت کا احساسِ جرم:

جب وہ اپنے حصے کا سامان سمیٹ رہا ہوتا ہے، تو اس کا ضمیر اسے ملامت کر رہا ہوتا ہے۔ جب وہ اپنی ماں کی روتی ہوئی آنکھیں اور باپ کا جھکا ہوا سر دیکھتا ہے، تو اس کا اپنا دل خون کے آنسو روتا ہے۔ وہ اندر سے بالکل ٹوٹ چکا ہوتا ہے۔ وہ جانتا ہے کہ وہ ایک بہت بڑی

تاریخی غلطی یا مجبوری کا حصہ بن رہا ہے، لیکن حالات کے جابرانہ طوق نے اس کی زبان اور قدموں کو جکڑ رکھا ہوتا ہے۔ وہ نئے مکان میں منتقل تو ہو جاتا ہے، لیکن اس نئے گھر کے پرسکون کمروں میں بھی اسے اپنی ماں کی سسکیاں اور باپ کی کھانسی کی آوازیں سونے نہیں دیتیں۔

بھائی بھائی کی دشمنی اور سونا آنگن:

جس گھر کے صحن میں بھائی ایک ساتھ کھیلے، ایک ہی تھالی میں کھانا کھایا، ایک دوسرے کے کپڑے پہنے اور جوانی کی دہلیز تک ایک دوسرے کا سایہ بن کر رہے — آج اسی گھر کے بیچ میں ایک لکڑی یا اینٹ کی دیوار کھڑی کر دی جاتی ہے۔

نظروں کا بدل جانا:

وہ بھائی جو کبھی ایک دوسرے کے لیے جان دینے کو تیار رہتے تھے، اب ایک دوسرے کی شکل دیکھنا گوارا نہیں کرتے۔ ایک دوسرے کے بچوں کو اپنے صحن میں آنے سے روک دیا جاتا ہے۔ وہ معصوم بچے جو کل تک چچا اور تایا کی گود میں کھیلتے تھے، آج وہ اس خاندانی جنگ کے بے قصور قیدی بن جاتے ہیں۔

تہواروں کی ویرانی:

عید کا دن ہو یا کوئی خوشی کا موقع، جب اسی ایک مکان کے دو حصوں میں الگ الگ عید کے پکوان پک رہے ہوتے ہیں اور دونوں بھائی ایک دوسرے کو گلے لگانے کے بجائے اپنے اپنے دروازے بند کر لیتے ہیں، تو اس وقت اس بوڑھے مکان کی دیواریں بھی ماتم کرتی ہیں۔

ایک عالمانہ اور فکری تازیانہ: مکافاتِ عمل کا خوف

اسلام نے والدین کی نافرمانی اور قطع رحمی (رشتوں کو توڑنے) کی سخت ترین مذمت کی

ہے۔قرآنِ پاک میں ارشاد ہے کہ والدین کو "اُف" تک نہ کہو۔جو بیٹا اپنی بیوی کی جائز و ناجائز باتوں میں آ کر یا حالات سے گھبرا کر اپنے بوڑھے ماں باپ کو اس عمر میں تنہا چھوڑ دیتا ہے جہاں انہیں سب سے زیادہ اس کے سائے کی ضرورت تھی، وہ درحقیقت اپنی آخرت کو اپنے ہاتھوں برباد کر رہا ہوتا ہے۔

یاد رکھیے! دنیا گول ہے اور قدرت کا قانون *مکافاتِ عمل* (جیسی کرنی ویسی بھرنی) بہت سخت ہے۔آج جو بیٹا اپنے باپ کی سفید داڑھی کا پاس نہیں رکھ رہا اور اپنی ماں کے آنسوؤں کو پسِ پشت ڈال کر اپنی الگ دنیا بسا رہا ہے،کل اس کے اپنے بچے بھی جوان ہوں گے۔تاریخ گواہ ہے کہ جو اپنے والدین کو رولاتا ہے، اس کی اپنی اولاد اسے اولڈ ہوم (بڑھاپے کے آشرم) یا تنہائی کے جہنم میں دھکیل دیتی ہے۔

حاصلِ کلام:

مشترکہ خاندانی نظام کا بکھرنا صرف ایک خاندان کی موت نہیں، بلکہ مشرقی تہذیب اور اخلاقیات کا جنازہ ہے۔ جب بیٹا الگ ہو کر اپنے نئے گھر کا دروازہ بند کرتا ہے،تو وہ درحقیقت جنت کا وہ دروازہ بند کر رہا ہوتا ہے جو اس کے ماں باپ کی شکل میں کھلا تھا۔یہ وہ دردناک عالم ہے جس کا کوئی مرہم نہیں، اور اس علیحدگی کی کسک ماں باپ کو قبر کی مٹی تک تڑپاتی رہتی ہے۔

۶۔باب ششم

وقت کا قحط اور رشتوں کی ویرانی

(مادی دور کی بے حسی اور اخلاقی قحط الرجال)

اَلْهٰكُمُ التَّكَاثُرُ ۰ حَتّٰى زُرْتُمُ الْمَقَابِرَ ۰ (سورۃ التکاثر، آیت:۱۔۲)

ترجمہ: تمہیں غافل رکھا مال کی زیادہ طلبی نے۔ یہاں تک کہ تم نے گورستان کا منہ دیکھا۔

یہ مادی دور ہے، رشتوں میں بے حسی آئی
کسی کو وقت نہ مل پایا، ایسی رُت آئی
پکارتا ہی رہا باپ، بیٹا مصروف تھا
یہ مادی آگ لگی، جس نے ہر خوشی کھائی

ماضی کی وہ پُرخلوص ضیافتیں اور آج کا مصلحت پسند دور:

جب ہم ماضی کے دریچوں کو وا کرتے ہیں اور اپنی زندگی کے اس دور کا مطالعہ کرتے ہیں جب ہماری عمریں چھوٹی تھیں اور دل بڑے تھے، تو روح پر ایک عجیب سی معطریت اور آنکھوں میں آنسوؤں کا سیلاب تیرنے لگتا ہے۔ بچپن کا وہ دور صرف معصومیت کا دور نہیں تھا، بلکہ وہ رشتوں کی سچی مٹھاس، بے غرض محبتوں اور پُرخلوص میل ملاپ کا ایک ایسا سنہری زمانہ تھا جس کی بازگشت آج کے اس مشینی دور میں کہیں کھو گئی ہے۔

آج انسان مادیت کی اس اندھی دوڑ میں شامل ہو چکا ہے جہاں اس کے پاس تجوری بھرنے کے لیے تو چوبیس گھنٹے موجود ہیں، لیکن اپنے سگے رشتوں کے پاس بیٹھ کر دو بول

بولنے کا وقت نہیں ہے۔ آیئے رشتوں کے اس زوال کا وہ تفصیلی اور جگر دوز نقشہ دیکھیں جسے پڑھ کر ہر رشتہ دار تڑپ اٹھے گا۔

ماضی کی وہ پُر خلوص رشتہ داریاں اور لاڈ پیار:

ننھے قدم اور ننھیال و ددھیال کی رونقیں: وہ بھی کیا دن تھے جب اسکول کی چھٹیوں کا اعلان ہوتے ہی دل خوشی سے جھوم اٹھتا تھا۔ جب ہم اپنے دادا دادی، نانا نانی، یا ماموں، مامی، خالہ، خالو، پھوپھی اور پھوپھا کے گھر جانے کے لیے رختِ سفر باندھتے تھے، تو ایسا لگتا تھا جیسے ہم کسی دنیاوی جنت کی طرف جا رہے ہیں۔ جوں ہی ہم ان کی دہلیز پر قدم رکھتے، دادا دادی اور نانا نانی اپنے ضعیف اور کانپتے ہوئے بازوؤں کو پھیلا کر ہمیں اپنے سینے سے لگا لیتے تھے۔ ماموں اور خالو کا وہ محبت بھرا انداز، مامی اور خالہ کا ہمارے پسندیدہ پکوان تیار کرنے کے لیے کچن میں دن بھر کھڑے رہنا، اور پھوپھی کا ہمیں گود میں لے کر بلائیں لینا—یہ وہ لاڈ پیار تھا جس کی قیمت دنیا کا کوئی امیر ترین انسان بھی نہیں چکا سکتا۔

بڑے بھائی، بہن اور بہنوئی کا مان: گھر کی بڑی بہنیں اور بہنوئی جب آتے تھے، تو گھر کا ماحول عید جیسا ہو جاتا تھا۔

بہنوئی کا اپنے سالوں کے ساتھ دوستوں کی طرح کھیلنا، انہیں گھمانے لے جانا، اور بڑی بہن کا ماں کی طرح لاڈ جتانا دلوں کو ایک عجیب سا تحفظ دیتا تھا۔

برکت کی وہ عیدی اور جیب خرچ: جب وہاں سے واپسی کا وقت آتا تھا، تو سب رشتہ دار—خواہ وہ دادا ہوں، ماموں ہوں، خالو ہوں یا پھوپھا—چوری چھپے ہمارے ہاتھوں میں کچھ پیسے (عیدی یا جیب خرچ) تھما دیا کرتے تھے۔ وہ پیسے اگرچہ بہت کم ہوتے تھے، لیکن

ان نوٹوں میں جو برکت، جو خلوص اور جو دعائیں چھپی ہوتی تھیں، وہ آج کے لاکھوں روپوں کے بزنس اکاؤنٹ پر بھی بھاری تھیں۔ ہم ان کے بچوں کے ساتھ صحن میں مٹی کے گھروندے بناتے تھے، راتوں کو چھتوں پر لیٹ کر تاروں کو گنتے ہوئے قصے کہانیاں سنتے تھے اور دلوں میں کوئی عداوت، کوئی کاروباری سوچ یا کوئی حسد نہیں ہوتا تھا۔

اور آج: پیسے کی ہوس، وقت کا قحط

اور آج ... سب کچھ بدل گیا: اور آج ہم بڑے ہو گئے، ہمارے قد اونچے ہو گئے، ہماری جیبیں نوٹوں سے بھر گئیں، لیکن ہمارے دل اتنے چھوٹے ہو گئے کہ ان میں اب اپنوں کے لیے کوئی جگہ باقی نہیں رہی۔ آج ہم پیسہ کمانے میں اس قدر مست، اندھے اور دیوانے ہو چکے ہیں کہ ہمیں اپنے ان محسن رشتوں کی یاد تک نہیں آتی جنہوں نے ہمارے بچپن کو اپنے پیار سے سینچا تھا۔

اجنبی بنے سگے رشتے: آج سال ہا سال گزر جاتے ہیں، نہ ماموں کے گھر جانا ہوتا ہے، نہ خالہ اور پھوپھی کی خیر خبر لی جاتی ہے۔ وہ بزرگ جن کی گود میں ہم کھیلے تھے، آج وہ قبروں کی مٹی تلے جا سوئے یا اپنے گھروں میں بیمار پڑے ہماری ایک جھلک کو ترس رہے ہیں، لیکن ہمارے پاس بزنس میٹنگز اور دنیاوی کاموں سے فرصت ہی نہیں ہے۔ ہم اتنے بے حس ہو چکے ہیں کہ آج اگر کسی رشتہ دار کی موت کی خبر بھی آتی ہے، تو ہم افسوس کا ایک رسمی "میسج" بھیج کر اپنے کام میں دوبارہ مصروف ہو جاتے ہیں۔

مصلحت اور ضرورت کے فون کالز: آج ہمارے رابطے صرف اور صرف "ضرورت" کے تابع ہو چکے ہیں۔ اب کوئی کسی کو پیار سے یاد کر کے فون نہیں کرتا۔ آج اگر کسی خالہ، ماموں، پھوپھی یا کزن کا فون آتا بھی ہے، تو دل میں سب سے پہلا خیال یہ آتا ہے کہ یقیناً

اسے کوئی کام ہوگا یا کوئی ضرورت پڑی ہوگی، تبھی اس نے یاد کیا ہے۔ ہم صرف اس وقت نمبر ڈائل کرتے ہیں جب کوئی شادی کا کارڈ دینا ہو، کسی سے کوئی سفارش کرانی ہو، یا کوئی مالی کام ہو؛ ورنہ بلا غرض کسی کے پاس بیٹھ کر چائے کا ایک کپ پینا آج ہمارے لیے وقت کا ضائع کرنا بن چکا ہے۔

یادوں کا قبرستان: وہ پرانی یادیں، وہ صحن کی رونقیں، وہ عیدی کا ملنا، وہ سب ہم نے بڑے ہو کر اپنے دل کے کسی اندھیرے تہ خانے میں دفن کر دیا ہے۔ آج ہماری عیدیں، ہمارے تہوار بھی مصنوعی ہو چکے ہیں جہاں رشتہ دار ملتے تو ہیں، لیکن دلوں میں ایک دوسرے کی گاڑی، بنگلے اور بینک بیلنس کا موازنہ (Comparison) چل رہا ہوتا ہے۔ خلوص رخصت ہو چکا ہے اور صرف نمائش باقی رہ گئی ہے۔

رشتہ داروں کو جھنجھوڑنے والا فکری و اصلاحی پیغام (حاصلِ کلام)

اے میرے عزیز رشتہ داروں! اے میرے ماموں، خالو، پھوپھی، بھائی اور بہنوں! ذرا ایک پل کے لیے رک کر سوچو۔ جس پیسے کے پیچھے بھاگ کر ہم نے اپنے رشتوں کو قربان کر دیا، کیا وہ پیسہ کل قبر کے اندھیرے میں ہمارے کام آئے گا؟ کیا یہ دنیاوی ترقیاں اس بوڑھے ماموں یا پھوپھی کے اس پیار کا متبادل ہو سکتی ہیں جو انہوں نے ہمارے بچپن میں ہم پر نچھاور کیا تھا؟

خدا کے لیے آج اپنی مصروف زندگی سے چند منٹ نکالو۔ اس سے پہلے کہ وقت کا سیلاب سب کچھ بہا لے جائے، اس سے پہلے کہ تمہارے وہ شفیق ماموں، خالو، خالہ اور پھوپھی اس دنیا سے رخصت ہو جائیں اور تم صرف ان کے جنازے پر رو سکو — آج ہی فون اٹھاؤ، ان کے پاس جاؤ، ان کے گلے لگو اور ان سے کہو: مجھے معاف کر دیجئے، میں پیسے کی چمک میں اپنے ان ہیروں کو بھول گیا تھا جن کی چمک سے میرا بچپن روشن تھا۔ رشتوں کو ضرورت کی

بنیاد پر نہیں، بلکہ محبت کی بنیاد پر زندہ رکھیے، کیونکہ جب انسان دنیا سے جاتا ہے، تو اس کے ساتھ اس کا پیسہ نہیں، بلکہ اپنوں کے دیے ہوئے آنسو اور دعائیں جایا کرتی ہیں۔

۷۔ باب ہفتم

طالبِ علمِ دین کی ہجرت

(حصولِ علمِ نافع کے لیے جلاوطنی اور اس کے مصائب)

فَلَوْلَا نَفَرَ مِنْ كُلِّ فِرْقَةٍ مِّنْهُمْ طَائِفَةٌ لِّيَتَفَقَّهُوا فِي الدِّينِ وَلِيُنْذِرُوا قَوْمَهُمْ إِذَا رَجَعُوا إِلَيْهِمْ ۰ (سورۃ التوبہ، آیت:۱۲۲)

ترجمہ: تو کیوں نہ ہوا کہ ان کے ہر گروہ میں سے ایک جماعت نکلتی کہ دین کی سمجھ حاصل کرتے اور اپنی قوم کو ڈراتے جب ان کی طرف پلٹ کر آتے۔

وطن کو چھوڑ کے نکلا ہے وہ یتیموں کی طرح
کتابِ دیں لیے پھرتا ہے وہ غریبوں کی طرح
ملی جلاوطنی علم کے حصول کے لیے
کاٹے ہیں دن سفرِ شوق میں اسیروں کی طرح

معصوم بچپن کا درد، مدرسے کی غربت اور دستارِ فضیلت کا نور

مشرقی اور اسلامی معاشرے کا ایک نہایت مقدس مگر دل کو چھو لینے والا منظر وہ ہوتا ہے جب ایک ننھا سا بچہ، جس کی عمر ابھی کھیل کود اور ماں کی گود میں سونے کی ہوتی ہے، اپنے ننھے ہاتھوں میں لکڑی کی تختی اور قاعدہ تھامے "علمِ دین" کی خاطر گھر سے رخصت ہوتا ہے۔ وہ بچہ جو ابھی ٹھیک سے اپنے کپڑے نہیں بدل سکتا، جسے ماں اپنے ہاتھوں سے نوالا کھلاتی ہے، وہ ایک ایسے ادارے (مدرسے) کی طرف قدم بڑھاتا ہے جہاں اس کا اپنا کوئی نہیں ہوتا۔

اس ہجرتِ مدینہ نما سفر میں معصوم بچے پر کیا گزرتی ہے، ماں باپ کے دل کیسے پاش پاش ہوتے ہیں، اور برسوں کی اس تپسیا کے بعد جب سر پر فضیلت کا عمامہ سجایا جاتا ہے تو کیا سماں ہوتا ہے۔

رخصتی کا دن: ماں کی گود سے اجنبی دیواروں تک

جس دن بچے کا بستر باندھا جاتا ہے، وہ دن اس معصوم کے لیے کسی صدمے سے کم نہیں ہوتا۔ وہ بار بار اپنی ماں کا آنچل پکڑتا ہے، اپنے باپ کے چہرے کو دیکھتا ہے اور اس کی چھوٹی سی عقل یہ سمجھنے سے قاصر ہوتی ہے کہ میں نے کیا قصور کیا ہے جو میرے اپنے مجھے خود سے دور بھیج رہے ہیں؟

ماں باپ کا دل پر پتھر رکھنا: ماں جب اس کے چھوٹے چھوٹے کپڑے سوٹ کیس میں رکھ رہی ہوتی ہے، تو اس کا ہر آنسو کپڑوں پر گر کر جذب ہو رہا ہوتا ہے۔ باپ، جو بیٹے کو ایک عظیم انسان اور عالمِ دین بنانا چاہتا ہے، اپنے دل پر فولاد کا پتھر رکھ لیتا ہے۔ جب وہ بچے کا ہاتھ پکڑ کر گھر کی دہلیز سے نکلتا ہے، تو ماں دروازے کی اوٹ میں بیٹھ کر چادر کا پلو منہ میں دبا لیتی ہے تا کہ اس کی چیخیں باہر نہ نکلیں اور بچے کا دل نہ ٹوٹے۔

راہ تکتی بوڑھی نظریں: بچے کے جانے کے بعد گھر کا وہ کمرہ، اس کے کھلونے، اس کا خالی بستر دیکھ دیکھ کر ماں باپ تڑپتے ہیں۔ شام ہوتی ہے تو ماں بے اختیار دروازے کی طرف دیکھتی ہے کہ ابھی میرا بچہ دوڑتا ہوا آئے گا اور کہے گا "ماں بھوک لگی ہے"۔ لیکن وہاں صرف ایک بھیانک خاموشی ہوتی ہے۔ وہ دن گن گن کر، اس کی راہ تکتے تکتے راتیں گزارتے ہیں۔

مدرسے کی زندگی: معصوم کا گریہ اور غربت کا عالم

مدرسہ حضور کا گھر ہے، لیکن ایک چھوٹے بچے کے لیے وہ ابتداء میں ایک اجنبی دنیا ہوتی ہے۔ جہاں کوئی اس کی بلائیں لینے والا نہیں ہوتا، کوئی اسے لاڈ پیار سے بیدار کرنے والا نہیں ہوتا۔

گھر کی یاد میں رونا: جب مدرسے کی لالٹینیں بجھتی ہیں اور سب بچے اپنے اپنے بستروں پر لیٹتے ہیں، تو اندھیرے میں سسکیوں کی آوازیں آنے لگتی ہیں۔ وہ ننھا بچہ اپنے سرہانے کو آنسوؤں سے بھگو دیتا ہے۔ وہ رات کو اٹھ اٹھ کر روتا ہے، اسے اپنی ماں کا چہرہ یاد آتا ہے، اپنے بھائی بہنوں کی شرارتیں یاد آتی ہیں۔ وہ سوچتا ہے کہ کاش میرے پاس پر ہوتے تو میں اڑ کر ابھی اپنی ماں کے پاس پہنچ جاتا۔

جیسا تیسا کھانا اور سونا: مدرسے میں گھر جیسا آرام کہاں؟ ایک بڑے ہال میں، چٹائی پر یا ایک پتلے سے بستر پر کتنے ہی بچے ایک ساتھ سوتے ہیں۔ وہاں کوئی صبح اٹھ کر پیار سے ماتھا نہیں چومتا، بلکہ گھنٹی کی آواز پر کڑکتی سردی میں بھی بستر چھوڑنا پڑتا ہے۔ کھانا بھی ایک وکیلِ ملت کی طرح، جیسا تیسا، دال دلیا یا سادہ سالن ملتا ہے۔ بچہ جو گھر میں نخرے دکھاتا تھا، اب خاموشی سے، سب کے سامنے لائن میں لگ کر اپنے حصے کا نوالا لیتا ہے اور خدا کا شکر ادا کرتا ہے۔ اس کا بچپن رشتوں کی دوری اور مشقت کی چکی میں پس کر وقت سے پہلے بڑا ہو جاتا ہے۔

دستار بندی کا دن: تمام دکھوں کا مداوا اور عرش کا جھومنا

برسوں کی اس کٹھن عبادت، بھوک، پیاس، تنہائی اور راتوں کے رونے کے بعد بالآخر وہ دن آتا ہے جس کے لیے باپ نے اپنی لاٹھی دور کی تھی اور ماں نے اپنے جگر کا ٹکڑا قربان کیا تھا— یعنی "تکمیلِ قرآن و حدیث اور دستار بندی کا دن"

جلسے کا سماں اور ماں باپ کی آمد: مدرسے میں جلسہ ہوتا ہے، دور دور سے علماء آتے ہیں۔ وہ بوڑھا باپ، جس کی کمر اب جھک چکی ہے، اور وہ ماں جس کی آنکھیں بیٹے کی جدائی میں دھندلا چکی ہیں، جلسہ گاہ کے ایک کونے میں آ کر بیٹھ جاتے ہیں۔ ان کے دل دھڑک رہے ہوتے ہیں۔

تاج پوشی کا رقت آمیز منظر: جب مائیک پر اس معصوم (جواب ایک جوان صالح بن چکا ہے) کا نام پکارا جاتا ہے کہ "فلاں ابنِ فلاں تشریف لائیں تا کہ ان کے سر پر فضیلت کا تاج (عمامہ) سجایا جائے" تو باپ کے آنسو تھمنے کا نام نہیں لیتے۔ جب بڑے بڑے شیوخ الحدیث اس کے سر پر سفید پگڑی باندھتے ہیں، تو پورے مجمعے میں تکبیر کی گونج ہوتی ہے۔

ماں باپ کی خوشی اور سجدۂ شکر: اس لمحے باپ کی ساری عمر کی تھکن، اس کا غریب ہونا، اس کا مشقت کرنا سب وصول ہو جاتا ہے۔ وہ تڑپ کر اپنے بیٹے کو دیکھتا ہے اور اس کے منہ سے نکلتا ہے: "یا اللہ! تیرا شکر ہے، میں نے دنیا کے لیے نہیں، تیرے دین کے لیے اپنا بچہ قربان کیا تھا، آج تو نے مجھے معاشرے میں سرخرو کر دیا۔ ماں پردے کے پیچھے بیٹھی روتی ہے، لیکن یہ آنسو جدائی کے نہیں ہوتے، یہ اس فخر اور خوشی کے ہوتے ہیں کہ کل قیامت کے دن جب سب نفسی نفسی کر رہے ہوں گے، یہ حافظ و عالمِ دین بیٹا اپنے ماں باپ کے سر پر نور کا تاج سجائے گا۔

یہ باب دکھاتا ہے کہ جہاں دنیاوی جدائی (پردیس یا بٹوارا) صرف دکھ دیتی ہے، وہاں "خدا کے لیے بچھڑنا" ابتداء میں اگرچہ رولا دینے والا اور دردناک ہوتا ہے، لیکن اس کا انجام اتنا خوبصورت اور نورانی ہوتا ہے کہ انسان اپنے سارے پرانے دکھ بھول جاتا ہے۔ ایک طالبِ علم کا بچپن میں گھر سے نکل کر رو رو کر پڑھنا، اور پھر عالم بن کر لوٹنا — یہ کائنات کا سب سے مقدس اور تڑپا دینے والا سفر ہے۔

۸۔ باب ہشتم

مزدورِ پردیس

(حصولِ رزق کی مشقت اور غریبِ وطن کی کسمپرسی)

هُوَ الَّذِیُ جَعَلَ لَکُمُ الۡاَرۡضَ ذَلُوۡلًا فَامۡشُوۡا فِیۡ مَنَاکِبِهَا وَ کُلُوۡا مِنۡ رِّزۡقِهٖ وَاِلَیۡهِ النُّشُوۡرُ ۰ (سورہ الملک، آیت:۱۵)

ترجمہ: وہی ہے جس نے تمہارے لیے زمین کو نرم کیا تو اس کے راستوں میں چلو اور اللہ کا رزق کھاؤ اور اسی کی طرف اٹھنا ہے۔

وطن سے دور مشقت میں دن گزارتے ہیں
حلال رزق کی خاطر لہو ابالتے ہیں
کوئی نہیں ہے جو پوچھے غریب کے احوال
یہ غُربتیں ہمیں کس موڑ پہ سنبھالتے ہیں

ہجرت کا کرب، خونِ تمنا اور اپنوں کی بے حسی کا المیہ:

دنیا کی سب سے بڑی اور خاموش قربان گاہ وہ ریلوے اسٹیشن، بس اڈے اور ہوائی اڈے ہیں جہاں روزانہ لاکھوں نوجوان اپنے خوابوں کی گٹھڑی کندھے پر رکھے، اپنی دھرتی اور اپنے پیاروں کو الوداع کہہ کر پردیس کے لیے نکلتے ہیں۔ یہ وہ مظلوم مسافر ہیں جنہیں وقت کی بے رحمی، خاندان کی ذمہ داری اور اپنوں کے ارمان گھر سے بے گھر کر دیتے ہیں۔ وہ بیٹا، جو کبھی ماں کی گود کا لاڈلا تھا، جب پردیس کی دھوپ میں جھلستا ہے تو اس کے جسم کا پسینہ نہیں، بلکہ

اس کی زندگی کا لہو ٹپک رہا ہوتا ہے۔لیکن المیہ یہ ہے کہ دنیا صرف اس کے بھیجے ہوئے نوٹوں کی چمک دیکھتی ہے،اس کے چھالوں بھرے ہاتھ اوراس کا اجڑ ہوا سکون کسی کو نظر نہیں آتا۔

رخصتیِ پردیس: ایک زندہ جنازہ اور گھر کی دہلیز کا ماتم

جب وہ بیٹا کمانے کے لیے پہلی بار گھر کی دہلیز پار کرتا ہے،تو وہ منظر کسی قیامت سے کم نہیں ہوتا۔ وہ جانتا ہے کہ اب وہ اس بچھونے پر نہیں سو پائے گا جہاں اس نے بچپن گزارا، اب ماں کے ہاتھ کی گرم روٹی اس کا مقدر نہیں ہوگی۔

ماں باپ کا دل اور کانپتے ہاتھ:

باپ جوانی کی دہلیز پر قدم رکھتے بیٹے کی پیٹھ تھپتھپاتا ہے،لیکن اس کے اپنے ہاتھ کانپ رہے ہوتے ہیں۔ وہ اپنے بیٹے کو نہیں، بلکہ بڑھاپے کی اس لاٹھی کو دور بھیج رہا ہوتا ہے جس کا سہارا اسے اب چاہیے تھا۔ ماں اس کے گلے لگ کر روتی ہے،اس کے کرتے کا پلو ممتا کے آنسوؤں سے بھیگ جاتا ہے۔ ماں کا دل تڑپ کر کہتا ہے: کاش میرے گھر میں اتنی سکت ہوتی کہ مجھے اپنے جگر کے ٹکڑے کو یوں پرائے دیس نہ بھیجنا پڑتا۔

بیوی کا اجڑتا ہوا سکون:

وہ شریکِ حیات، جو اپنے سہاگ کے سرمئی خواب لے کر اس گھر میں آئی تھی، دروازے کی اوٹ میں کھڑی اپنی قسمت پر روتی ہے۔ابھی تو مہندی کا رنگ بھی ٹھیک سے نہیں اترا ہوتا کہ اس کا سہاگ پردیس کی نذر ہو جاتا ہے۔ وہ اس اجنبی گھر میں بالکل اکیلی رہ جاتی ہے۔ اس کا سکون، اس کی راتوں کی نینداور اس کی مسکراہٹ اسی دن رخصت ہو جاتی ہے جس دن اس کا شوہر گھر سے نکلتا ہے۔

پردیسی کے دل کا اضطراب:

جب وہ پیچھے مڑ کر روتے ہوئے ماں باپ اور اداس بیوی کو دیکھتا ہے، تو اسے لگتا ہے کہ اس کا پاؤں آگے نہیں بڑھ رہا، بلکہ کوئی اس کے دل کو لوہے کے تاروں سے پیچھے کھینچ رہا ہے۔ وہ ایک زندہ لاش بن کر سفر کی گاڑی میں بیٹھ جاتا ہے۔

دشتِ پردیس کی زندگی: نہ پیٹ بھر کھانا، نہ آرام کا ٹھکانا

پردیس پہنچ کر اس کی زندگی ایک ایسی مشین بن جاتی ہے جس میں صرف مشقت ہوتی ہے، انسان غائب ہو جاتا ہے۔ وہ تپتی دھوپ، کڑکتی سردی یا کارخانوں کے حبس میں کئی کئی گھنٹے کام کرتا ہے۔

نہ نہانے دھونے کا ہوش، نہ کپڑے بدلنے کی فرصت:

وہ اتنی سخت مشقت کرتا ہے کہ اسے خود اپنے وجود کی خبر نہیں ہوتی۔ دن بھر کی ڈیوٹی کے بعد جب وہ اپنے سستے اور تنگ کمرے میں لوٹتا ہے، جہاں اس جیسے کئی اور مجبور پردیسی ایک ہی چھت کے نیچے بھیڑوں کی طرح سوتے ہیں، تو اس میں اتنی ہمت نہیں ہوتی کہ وہ نہا دھو سکے۔ مٹی سے اٹے کپڑے، پسینے سے سوجے ہوئے پیر اور تھکن سے چور جسم لیے وہ اسی طرح چٹائی پر ڈھیر ہو جاتا ہے۔

نہ پیٹ بھر کھانا، نہ اپنوں سے بات:

وہ ٹھیک سے پیٹ بھر کر کھانا بھی نہیں کھا پاتا۔ کچی پکی روٹی یا ابلی ہوئی دال کھا کر وہ دن گزارتا ہے کیونکہ اسے لگتا ہے کہ اگر وہ اپنے کھانے پر زیادہ پیسے خرچ کرے گا، تو گھر والوں کے لیے پیسے کم پڑ جائیں گے۔ وہ اپنی بھوک مار کر، اپنی خواہشات کا گلا گھونٹ کر جیا کرتا ہے۔ کبھی کبھی تو تھکن کا یہ عالم ہوتا ہے کہ وہ گھر فون کرنا چاہتا ہے، ماں کی آواز سننا چاہتا ہے،

بیوی سے دو بول بولنا چاہتا ہے،لیکن فون ہاتھ میں لیتے ہی اس کی آنکھیں بند ہو جاتی ہیں اور وہ گہری، تھکی ہوئی نیند کی وادی میں چلا جاتا ہے۔ اس کی اپنی کوئی خواہش، کوئی تفریح، کوئی گھومنا پھرنا نہیں ہوتا۔ اس کی کائنات صرف کام کی جگہ اور اس کا بستر بن کر رہ جاتی ہے۔

اپنوں کی بے حسی: پیسے پر نظر، پسینے پر پردہ

اس پورے قصے کا سب سے زیادہ رولا دینے والا اور تاریک پہلو اپنوں کا رویہ ہے۔ وہ پردیسی جو وہاں اپنی جوانی کا خون بیچ رہا ہے، جب مہینے کی آخری تاریخوں میں گھر فون کرتا ہے، تو اس کا دل چاہتا ہے کہ کوئی اس سے پوچھے: بیٹے! تو کیسا ہے؟ تو نے کھانا کھایا؟ تیری صحت کیسی ہے؟

صرف نوٹوں کی گنتی:

لیکن افسوس! فون اٹھاتے ہی ادھر سے فرمائشوں کی فہرست شروع ہو جاتی ہے۔ بھائی کو بائیک چاہیے، بہن کو کپڑے چاہئیں، ماں باپ کو گھر کی مرمت کرانی ہے۔ کوئی اس کے چھالے نہیں دیکھتا، کوئی اس کی ہڈیوں کی رگڑ نہیں سنتا۔ گھر والوں کی نیت اور نظر صرف اس بات پر ہوتی ہے کہ اس مہینے کتنا پیسہ آیا۔ اگر کسی مہینے کام مندا ہو جائے یا وہ بیمار ہونے کی وجہ سے پیسے کم بھیجے، تو گھر میں اداسی چھا جاتی ہے اور طعنے ملنے لگتے ہیں کہ: پردیس جا کر بھی تو نے کیا کمایا؟

ایک اے ٹی ایم (ATM) مشین کا درجہ:

اس پردیسی بیٹے کی حیثیت گھر والوں کی نظر میں صرف ایک مشین جیسی ہو جاتی ہے جس کا کام صرف پیسے اگلنا ہے۔ اس کی مصیبت، اس کی تنہائی، اس کا غربت کے ڈیرے میں سسکنا کسی کو دکھائی نہیں دیتا۔ وہ اپنوں کے لیے اپنی زندگی کی بہاریں قربان کر دیتا ہے، اور بدلے

میں اسے ملتی ہے تو صرف بے قدری اور اپنوں کی لالچی نظریں۔

واپسی کا سفر: بوڑھی آنکھیں اور راہ تکتی نظریں

برسوں کی اس جانکاہ مشقت کے بعد جب وہ کچھ دنوں کے لیے اپنے وطن، اپنے گھر واپس لوٹنے کا فیصلہ کرتا ہے، تو گھر میں ایک ہلچل مچ جاتی ہے۔

راہ تکتی نظریں: ماں باپ، بیوی اور بہن بھائی اس کی راہ دیکھتے ہوئے دروازے سے نظریں نہیں ہٹاتے۔ لیکن اس انتظار میں بھی محبت سے زیادہ اس بات کا لالچ چھپا ہوتا ہے کہ وہ پردیس سے ہمارے لیے کیا کیا تحفے لے کر آ رہا ہے، اس کے بیگ میں ہمارے لیے کیا نکلے گا۔

جب وہ گھر پہنچتا ہے: جب وہ گاڑی سے اتر کر گھر کے صحن میں قدم رکھتا ہے، تو ماں باپ دیکھتے ہیں کہ جو بیٹا تندرست اور وجیہہ ہو کر گیا تھا، اب اس کے سر کے بال سفید ہو چکے ہیں، اس کی آنکھیں اندر دھنس چکی ہیں اور اس کا چہرہ وقت سے پہلے بوڑھا ہو چکا ہے۔ وہ چہرہ جسے دیکھ کر کبھی ماں کا دل باغ باغ ہو جاتا تھا، اب اس پر پردیس کی تلخیوں کے گہرے نشان ہوتے ہیں۔

فکری نکتہ (حاصلِ کلام)

یہ پردیسی بیٹا اس معاشرے کا وہ مظلوم ترین کردار ہے جو اپنوں کی خاطر جیتا ہے اور اپنوں کے ہی ہاتھوں جیتے جی مر جاتا ہے۔ وہ کما کما کر دوسروں کے گھر تو محل بنا دیتا ہے، لیکن اس کے اپنے حصے میں صرف ایک اداس تنہائی اور عمر بھر کا تھپیڑا آتا ہے۔

۹۔باب نہم

پردیس کا خون اور وطن کی بے رخی

(دیارِ غیر کی جفا کشیاں اور اپنوں کی صدماتی سنگ دلی)

وَقَالُوْا لَوْلَا نُزِّلَ هٰذَا الْقُرْاٰنُ عَلٰى رَجُلٍ مِّنَ الْقَرْيَتَيْنِ عَظِيْمٍ ۰ (سورہ الزخرف، آیت:۳۱)

ترجمہ: اور بولے کیوں نہ اتارا گیا یہ قرآن ان دو بستیوں کے کسی بڑے آدمی پر۔

بہایا خونِ جگر جن کے واسطے دن رات
انہی کے دل سے مٹی الفتوں کی ہر اک بات
دیارِ غیر کی سختی تو جھیل لی ہم نے
ملا ہے اپنوں کی سنگ دلی کا یہ صدمات

ربِ کریم نے انسان کو رشتوں کے تقدس اور حقوق العباد کی پاسداری کا حکم دیا ہے۔ والدین کی خدمت جنت کا دروازہ ہے، بیوی کے حقوق نصف ایمان کی حفاظت ہیں، اور اولاد کی تربیت مستقبل کی ضمانت۔ لیکن آج ہمارے معاشرے، بالخصوص برصغیر کے مشترکہ خاندانی نظام (Joint Family System) میں ایک ایسا المیہ جنم لے چکا ہے جس نے رشتوں کی مٹھاس کو کاروباری سرد مہروں میں بدل دیا ہے۔ یہ ہمارا المیہ ہے پردیس جانے والے مسافروں کے ساتھ ہمارا منافقانہ سلوک۔

مسافر: انسان یا پیسہ کمانے والی مشین؟

جب کوئی نوجوان اپنے بوڑھے والدین کی آسودگی، بہن بھائیوں کے مستقبل اور اپنی نئی

نو یلی دلہن کی خوشیوں کی خاطر اپنا وطن چھوڑتا ہے، تو وہ صرف ایک شہر سے دوسرے شہر نہیں جاتا، بلکہ وہ اپنی جوانی، اپنی صحت، اپنی نیندیں اور اپنے جذبات غیروں کے ہاتھ بیچ دیتا ہے۔ وہ کئی گھنٹے فیکٹریوں کی بند دیواروں میں یا تپتے ہوئے صحراؤں میں خون پسینہ بہاتا ہے۔

مگر افسوس! ہمارے معاشرے کا سب سے تاریک پہلو یہ ہے کہ جیسے ہی کوئی مسافر پردیس کی دھرتی پر قدم رکھتا ہے، وطن میں بیٹھے اہل خانہ اسے ایک انسان کے بجائے: پیسہ کمانے والی مشین: سمجھ لیتے ہیں۔

گھر میں مادی آسودگی ہوتی ہے، کھانے پینے کی ریل پیل ہوتی ہے، لیکن پردیس بیٹھے بیٹے سے ایک ایک روپے کا حساب مانگا جاتا ہے۔فون پر کبھی یہ نہیں پوچھا جاتا کہ:

بیٹے! تم نے اجنبی دھرتی پر کھایا کیا؟ تم سوئے کتنے گھنٹے؟ کئی گھنٹے کی کمر توڑ مشقت کے بعد تمہاری صحت کیسی ہے؟ سب کی نظریں صرف اس بات پر ہوتی ہیں کہ مہینے کے آخر میں ریال، ڈالر یا دینار کا کتنا بڑا لفافہ گھر پہنچنے والا ہے۔

شرعی حدود اور حقوق العباد کا خون:

شریعتِ مطہرہ نے ہر رشتے کے حقوق کا ایک عادلانہ ترازو قائم کیا ہے۔مسافر پر جہاں والدین کا نفقہ اور خدمت واجب ہے، وہاں اپنی جان کا تحفظ، صحت کی دیکھ بھال، اور اپنی بیوی کا مہر و نان ونفقہ بھی فرض اور واجب ہے۔

کئی بار ایسا ہوتا ہے کہ مسافر اپنی حلال کمائی سے زکوٰۃ جیسے فرض، اور مہر وقربانی جیسے واجبات ادا کرتا ہے، جو کہ خالق اور مخلوق کا قطعی حق ہیں۔لیکن افسوس کہ دین دار گھرانوں میں بھی ان شرعی باریکیوں کو پسِ پشت ڈال کر مسافر پر یہ دباؤ ڈالا جاتا ہے کہ وہ اپنے

واجبات کو چھوڑ کر ساری رقم گھر بھیج دے۔ یہ سراسر ظلم اور شریعت کے مزاج کے خلاف ہے۔ شریعت کسی ایک کے حق کو مار کر دوسرے کا حق ادا کرنے کی اجازت ہرگز نہیں دیتی۔

جوانی پردیس کی، بڑھاپا تنہائی کا: ایک تلخ حقیقت۔

پردیس کی ایک عمر ہوتی ہے، انسان ہمیشہ جوان اور توانا نہیں رہتا۔ اکثر مسافر اپنے پندرہ بیس سال اپنوں پر لٹا دیتے ہیں۔ وہ اپنے بھائیوں کو سیٹ کرتے ہیں، بہنوں کی شادیاں کرتے ہیں، گھر کی عمارتیں کھڑی کرتے ہیں، لیکن اپنی ذات کے لیے ایک روپیہ نہیں بچاتے۔

اور پھر ایک دن تاریخ کا سب سے ہلا دینے والا موڑ آتا ہے۔ جب مسافر کی صحت جواب دے جاتی ہے، جب اس کے جسم سے مزید خون نچوڑنا ممکن نہیں رہتا، تو اسی مشترکہ خاندان میں اس سے یہ کہہ کر کنارہ کشی اختیار کر لی جاتی ہے کہ اب تم اپنی زندگی کا فیصلہ خود کرو، اپنے اخراجات خود سنبھالو۔

اس وقت اس بوڑھے، بیمار اور لاچار مسافر کے پاس نہ تو کاروبار کے لیے سرمایہ ہوتا ہے اور نہ ہی معاشرے میں دوبارہ کھڑے ہونے کی سکت۔ وہ اپنوں کے ہجوم میں بھی ایک یتیم اور مفلس کی زندگی گزارنے پر مجبور ہو جاتا ہے۔

اصلاحِ احوال اور سنہرے اصول (پیغامِ شمس)

اس دردناک صورتحال کو بدلنے کے لیے جہاں گھر والوں کو اپنی آخرت کا خوف کرنا چاہیے، وہاں پردیس میں مقیم بھائیوں کو بھی شرعی اور عقلی اصولوں کے تحت اپنی زندگی کی ڈور سنبھالنی ہوگی

۱۔ **اعتدال اور توازن:** والدین کی خدمت دل و جان سے کریں، لیکن اپنی جائز ضروریات اور بیوی کے شرعی حقوق (مہر، رہائش، خرچہ) کو کبھی نظر انداز نہ کریں۔ یہ حقوق اللہ کی عدالت میں قابلِ گرفت ہیں۔

۲.آمدنی کی دانشمندانہ تقسیم: اپنی کل کمائی کبھی بھی ایک جگہ مت بھیجیں۔کمائی کا ایک حصہ (کم ازکم ۲۰ فیصد) ہمیشہ اپنے مستقل اکاؤنٹ میں اپنے اور اپنی بیوی کے مستقبل کے لیے محفوظ رکھیں۔یہی رقم آپ کے برے وقت کا سہارا بنے گی۔

۳.مستقبل کی منصوبہ بندی: پردیس کو مستقل ٹھکانہ مت بنائیں۔زیادہ سے زیادہ ۵ سے ۱۰ سال کے اندر وطن میں کوئی چھوٹا موٹا حلال کاروبار یا روزگار کا ذریعہ قائم کرنے کی کوشش کریں،تاکہ بڑھاپے میں کسی کے آگے ہاتھ پھیلانا نہ پڑے۔

۴.خاموشی اور حکمت: اپنی کل آمدنی یا بچت کا ڈھنڈورا اپنوں کے سامنے نہ پیٹیں۔گھر والوں کو صرف اتنی ہی رقم کا پتہ ہونا چاہیے جو ان کی حقیقی ضروریات کے لیے مخصوص ہے۔

دعا ہے کہ اللہ رب العزت ہمارے معاشرے کو مسافروں کے درد کو سمجھنے کی توفیق عطا فرمائے،رشتوں میں عدل وانصاف قائم کرنے کی توفیق دے،اور ہر پردیسی بھائی کو صحت، ایمان اور برکت والی زندگی عطا فرمائے۔آمین۔

۱۰۔باب دہم

بچپن کی خوشی اور آج کی غمی

(عہدِ رفتہ کی رعنائیاں اور موجودہ دور کی عبرت انگیز پامالی)

كَمَا بَدَاْنَا اَوَّلَ خَلْقٍ نُّعِيدُهُ وَعْدًا عَلَيْنَا اِنَّا كُنَّا فَاعِلِيْنَ ۰ (سورۃ الانبیاء، آیت:۱۰۴)

ترجمہ: جیسے ہم نے اول تخلیق کی ابتدا کی تھی اسے دوبارہ لوٹائیں گے، یہ ہمارے ذمہ وعدہ ہے، بے شک ہم کرنے والے ہیں۔

وہ عہدِ رفتہ کی رعنائیاں کہاں کھوئیں
وہ بچپن کی پیاری مسکراہٹیں کہاں سوئیں
کھڑا ہوں آج میں پامالیوں کے ملبے پر
الٰہی اب یہ غمِ زندگی کہاں دھوئیں

بچپن کی یادیں، سسکتے رشتے اور تنہائی کا مرثیہ:

انسانی زندگی کا سب سے معصوم، بے فکر اور نورانی دور "بچپن" ہوتا ہے۔ یہ وہ دور ہوتا ہے جہاں نہ دلوں میں کوئی کینہ تھا، نہ پیسے کی ہوس تھی، نہ زمین و جائیداد کا بٹوارا تھا اور نہ ہی انا کی کوئی اونچی دیوار۔ پورا خاندان ایک مٹھی کی طرح بندھا ہوا تھا، جہاں ایک ہی صحن کی مٹی میں سب کے خواب پروان چڑھتے تھے۔لیکن وقت کی بے رحم آندھی نے رشتوں کے اس خوبصورت شجر کو ایسا بکھرا دیا کہ آج ہر کوئی اپنی اپنی تنہائی کے جزیرے میں قید ہو کر رہ گیا ہے۔ اگر کوئی انسان اپنی مصروفیات کی گرد کو ہٹا کر اپنے ماضی کے جھروکے میں جھانکے، تو اس کا

دل خون کے آنسو روئے گا کہ ہم کیا تھے اور "اور آج" کیا ہو گئے!

ماں باپ کے ساتھ وہ سچی جنت:

بچپن کی وہ یادیں: وہ بھی کیا دن تھے جب صبح کی شروعات ماں کی لوری یا اس کی پیار بھری ڈانٹ سے ہوا کرتی تھی۔ سردی کی راتوں میں جب باپ باہر سے تھکا ہارا لوٹتا تھا، تو سب بچے دوڑ کر ان کی گود سے چمٹ جاتے تھے اور باپ اپنی ساری تھکن بھول کر اپنی جیب سے کوئی سستی سی مٹھائی نکال کر بچوں کے ہاتھ میں تھماتا تھا تو لگتا تھا کائنات کی سب سے بڑی دولت مل گئی ہے۔ ماں اپنے ہاتھوں سے سب کو ایک ہی دال روٹی کا نوالا بنا بنا کر کھلاتی تھی، اور رات کو باپ کے چوڑے سینے پر سر رکھ کر پوری دنیا سے بےفکر ہو کر ہم سو جاتے تھے کیونکہ ہمیں معلوم تھا کہ جب تک یہ سائے موجود ہیں، دنیا کا کوئی دکھ ہمیں چھو بھی نہیں سکتا۔

اور آج: اور آج اسی ماں باپ کا سایا سر سے اٹھ چکا ہے، یا اگر وہ بوڑھے ماں باپ زندہ بھی ہیں تو گھر کے کسی اداس کونے میں بیمار پڑے اپنی آخری سانسیں گن رہے ہیں۔ اب کسی کے پاس اتنا وقت نہیں کہ ان کے پاس بیٹھ کر ان کا حال پوچھے، ان کے گھٹنوں کو دبا دے۔ وہ ہاتھ جو کبھی ہمیں انگلی پکڑ کر چلانا سکھاتے تھے، آج خود ایک سہارے کے لیے کانپ رہے ہیں۔ آج جب ہم اپنے عالی شان گھروں کے بند کمروں میں نرم بستر پر سوتے ہیں، تو دل تڑپ اٹھتا ہے کہ آج اس سکون میں وہ ماں کی گود اور باپ کا مضبوط سینہ کہیں کھو گیا ہے۔ اب دنیا کی ہر آسائش موجود ہے، لیکن وہ بےفکری کا تحفظ آج دنیا کے کسی بازار میں نہیں ملتا۔

بھائی کا وہ مضبوط بازو اور ساتھ:

بچپن کی وہ یادیں: بھائی تو بھائی کا دایاں بازو ہوتا تھا۔ بچپن میں جب باہر کسی سے لڑائی

ہوتی تھی، تو یہ خوف نہیں ہوتا تھا کیونکہ دل جانتا تھا کہ میرا بھائی میرے پیچھے کھڑا ہے۔ ایک ہی سائیکل پر دونوں بھائی بیٹھ کر پورے گاؤں کا چکر لگاتے تھے، ایک ہی تکیے پر سر رکھ کر رات بھر اسکول اور دوستوں کی باتیں کرتے تھے، اور اگر کبھی آپس میں لڑائی ہو بھی جاتی تو پانچ منٹ کے بعد ہی پھر سے گلے مل کر ہنسنے لگتے تھے۔ بھائی کا وجود زندگی کا سب سے بڑا امان ہوتا تھا۔

اور آج: اور آج وہی سگا بھائی اجنبی بن چکا ہے۔ اب اس کے گھر جانے کے لیے اجازت لینی پڑتی ہے، یا پھر زمین اور پیسے کی ایسی خلیج حائل ہو چکی ہے کہ دونوں کے راستے الگ ہو گئے ہیں۔ وہ بھائی جو کبھی ایک دوسرے کے چہرے کو دیکھ کر دل کا حال جان لیتے تھے، آج سالوں گزر جاتے ہیں اور ایک دوسرے کی آواز تک نہیں سن پاتے۔ اگر کبھی آمنا سامنا ہو بھی جائے، تو نظریں پھیر لی جاتی ہیں یا لہجوں میں وہ پرانی مٹھاس کے بجائے ایک سرد مہری اور تلخی ہوتی ہے۔ آج جب کوئی مصیبت آتی ہے، تو انسان اکیلا کھڑا ہوتا ہے اور دل پکارتا ہے کہ کاش آج میرا بھائی میرے ساتھ ہوتا، لیکن انا کی دیواروں نے خونی رشتوں کو آج مٹی میں ملا دیا ہے۔

بہن کی وہ معصوم محبت اور لاڈ:

بچپن کی وہ یادیں: بہن گھر کی رونق اور چڑیا کی مانند ہوتی تھی۔ وہ اپنے بھائیوں کے نخرے اٹھاتی تھی، ماں کی ڈانٹ سے بھائی کو چھپاتی تھی، اور جب بھائی باہر سے آتا تھا تو دوڑ کر پانی کا گلاس لاتی تھی۔ عید کے دن بھائی کی کلائی پر راکھی باندھنا یا اس کے لیے دعائیں کرنا بہن کا سب سے بڑا اثاثہ تھا۔ بھائی بھی اپنی جیب خرچ سے پیسے بچا کر اپنی بہن کے لیے چھوٹی موٹی چیزیں لاتا تھا تو بہن کا چہرہ خوشی سے گلاب ہو جاتا تھا۔ وہ پورا گھر بہن کی ہنسی سے چہکتا رہتا تھا۔

اور آج: اور آج وہ بہن اپنے سسرال میں رخصت ہو کر پرائی ہو چکی ہے۔ اب وہ اپنے

گھر کی ذمہ داریوں، بچوں اور سسرال کے جھگڑوں میں اس قدر الجھ چکی ہے کہ اسے اپنے بھائیوں کی یاد تو آتی ہے، لیکن وہ مجبور ہے۔ اب عیدیں آتی ہیں تو بہن کا وہ سونا آنگل یاد آ کر رولاتا ہے۔ آج بھائیوں کے پاس بہن کے گھر جا کر اس کا سر چومنے اور اس کی خیر و عافیت پوچھنے کا وقت نہیں ہے، اور بہن بھی دل مسوس کر رہ جاتی ہے کہ جس بھائی کے لیے وہ کبھی پوری دنیا سے لڑ جاتی تھی، آج وہ بھائی اپنی دنیا میں مست ہے اور اسے اپنی اس بہن کی یاد تک نہیں آتی جو بچپن میں اس کے بغیر ایک نوالا نہیں توڑتی تھی۔

حاصلِ کلام (کتاب کا تاثر)

بچپن کی یہ یادیں جب آج کی اس تلخ حقیقت سے ٹکراتی ہیں، تو انسان کا وجود اندر سے چھلنی ہو جاتا ہے۔ وقت نے ہمیں پیسہ تو دے دیا، ترقی تو دے دی، لیکن وہ معصومیت، وہ خلوص اور وہ اپنوں کا پیار ہم سے ہمیشہ کے لیے چھین لیا۔ آج ہم سب ایک ہی شہر میں، شاید ایک ہی محلے میں رہتے ہیں، لیکن ہمارے دلوں کے بیچ میلوں کی دوری آ چکی ہے۔

یہ مضمون ہر اس انسان کا مرثیہ ہے جو اپنے ماضی کو یاد کر کے آج اکیلا روتا ہے اور سوچتا ہے کہ: کاش! میں کبھی بڑا ہی نہ ہوتا، کاش وہ بچپن کا صحن اور وہ اپنوں کا ساتھ کبھی مجھ سے نہ چھٹتا۔

۱۱۔باب یازدہم

رشتوں کی مقتل گاہ

فَهَلْ عَسَيْتُمْ إِنْ تَوَلَّيْتُمْ أَنْ تُفْسِدُوا فِي الْأَرْضِ وَتُقَطِّعُوا أَرْحَامَكُمْ ۰ (سورہ محمد، آیت:۲۲)

ترجمہ: تو کیا تمہارے یہ لچھن نظر آتے ہیں کہ اگر تمہیں حکومت ملے تو زمین میں فساد پھیلاؤ اور اپنے رشتے کاٹ دو۔

جہاں پہ پیار تھا، مقتل وہ گھر دکھائی دیا
بھائی ہی بھائی کا دشمن یہاں دکھائی دیا
یہ خانگی جو جنگ ہے، المیہ ہے ایسا
ہر ایک موڑ پہ رشتوں کا سر دکھائی دیا

خونی رشتوں کا زوال، خانگی جنگ اور معاشرتی المیہ:

انسانی تاریخ کا سب سے بڑا اور بھیانک المیہ یہ نہیں ہے کہ میدانِ جنگ میں اجنبیوں نے اجنبیوں کا خون بہایا، بلکہ سب سے لرزہ خیز سانحہ یہ ہے کہ جن کا خون ایک تھا، جن کا گوشت اور پوست ایک تھا، جن کا بچپن اور جوانی ایک ہی صحن کی مٹی سے پروان چڑھے تھے، آج وہی ایک دوسرے کی گردنیں کاٹنے کے لیے صف آرا ہیں۔ وہ رشتے جو کبھی ایک دوسرے کا لباس تھے، ایک دوسرے کا مان تھے، وہ آج ایک مقتل گاہ میں تبدیل ہو چکے ہیں۔

مشرقی معاشرے میں "شادی" کے بعد یا "زمین و جائیداد" کے بٹوارے پر جو خونی جنگیں گھروں کے اندر لڑی جارہی ہیں، وہ ہماری اخلاقی موت کا اشتہار ہیں۔ ذیل میں اس

خانگی جنگ، ساس بہو کے معرکے، بھائیوں کی عداوت، اور باپ بیٹے کی دوری کا وہ دردناک نقشہ پیش ہے جو دلوں کو دہلا دینے والا ہے، اور اس کے بعد اس کا شرعی و عالمانہ حل (اصلاح) بھی درج ہے۔

ماضی کی جنت اور حال کا دوزخ: پہلے کیا تھے اور اب کیا ہو گئے!

سب سے بڑی حیرت اور افسوس کا مقام یہ ہے کہ لڑنے والے یہ بھول جاتے ہیں کہ وہ ماضی میں ایک دوسرے کے لیے کیا تھے۔

ماضی کا وہ خوبصورت چمن: یہ وہی بھائی تھے جو بچپن میں ایک ہی تھالی میں کھانا کھاتے تھے، ایک دوسرے کے اترن پہنتے تھے، ایک کو چوٹ لگتی تھی تو دوسرا روتا تھا، اور شام کو ایک ساتھ کھیلتے ہوئے گھر لوٹتے تھے۔ یہ وہی باپ بیٹا تھے جہاں بیٹا باپ کی انگلی پکڑ کر چلتا تھا اور باپ اپنی خواہشات کا گلا گھونٹ کر بیٹے کے لیے کھلونے لاتا تھا۔

حال کا یہ بھیانک منظر: لیکن اب کیا ہوا؟ زبانیں خنجر بن چکی ہیں اور دل پتھر۔ جو کل تک ایک دوسرے کی آواز سننے کو ترستے تھے، آج وہ ایک دوسرے کو گالیاں دیتے ہیں، طعنے مارتے ہیں، اور عدالتوں کے چکر کاٹتے ہیں۔ وہ محفلیں جہاں قہقہے گونجتے تھے، اب وہاں حسد کی آگ دہک رہی ہے۔ اب وہ ایک دوسرے کے لیے اجنبی نہیں، بلکہ درندے بن چکے ہیں جو موقع ملتے ہی ایک دوسرے کو چبا جانے کے لیے تیار ہیں۔

ساس اور بہو کا معرکہ: ایک گھر، دو ملوکیت اور اجڑتا ہوا سکھ

ہمارے معاشرے کی سب سے خطرناک اور زہریلی لڑائی ساس اور بہو کی ہے۔ یہ وہ جنگ ہے جو کسی ہتھیار سے نہیں، بلکہ زبان کے تیروں، طنز کے نشتروں اور دلوں کی نفرت سے لڑی جاتی ہے۔

ساس کا رویہ (تکبر اور خوف): ساس یہ سمجھتی ہے کہ جو بیٹا ۲۵ سال تک صرف میرا تھا، جس پر

میرا راج تھا، یہ نئی آنے والی لڑکی اسے مجھ سے چھیننے آئی ہے۔ وہ بہو کو بیٹی بنانے کے بجائے ایک نوکرانی یا حریف (رقیب) سمجھنے لگتی ہے۔ ہر بات پر ٹوکنا، اس کے مائیکے والوں کو طعنے دینا، اور بیٹے کے کان بھرنا اس کا روز کا معمول بن جاتا ہے۔

بہو کا رویہ (بے صبری اور بغاوت): دوسری طرف بہو یہ سوچ کر آتی ہے کہ یہ شوہر صرف میرا ہے، اس کے گھر والوں سے میرا کوئی لینا دینا نہیں۔ وہ ساس کو ماں کا مرتبہ دینے کے بجائے اپنی آزادی کی راہ میں سب سے بڑی رکاوٹ سمجھتی ہے۔ ذرا سی بات پر شوہر کے سامنے رونا، ساس کی شکایتیں کرنا، اور شوہر کو اس کے ماں باپ سے الگ کرنے کے لیے جال بننا اس کا وطیرہ بن جاتا ہے۔

نتیجہ: اس انا کی جنگ میں وہ گھر جس میں برکت اور سکون ہونا چاہیے تھا، وہ ایک ایسا تھانہ بن جاتا ہے جہاں چوبیس گھنٹے جرح ہوتی ہے، طعنے دیے جاتے ہیں، اور بالآخر وہ بیٹا/شوہر ذہنی مریض بن کر رہ جاتا ہے۔

بھائی بھائی کی دشمنی: زمین کا ٹکڑا اور خون کا سمندر

جس بھائی کو اللہ نے دوسرے بھائی کا بازو بنایا تھا، آج وہی بھائی اپنے بھائی کے خون کا پیاسا ہے۔ اس لڑائی کی سب سے بڑی وجہ زمین، جائیداد اور پیسہ ہے۔

اینٹ اور مٹی کے لیے قتل و غارت: دو گز زمین کے ٹکڑے یا مکان کے ایک حصے کے لیے بھائی اپنے سگے بھائی کی جان لینے سے بھی دریغ نہیں کرتا۔ اخبارات ایسے واقعات سے بھرے پڑے ہیں جہاں ایک بھائی نے دوسرے بھائی کو خاندانی جائیداد کے تنازع پر گولی ماردی یا کلہاڑی سے کاٹ ڈالا۔

نسلوں کا انقطاع: وہ بھائی جو ایک دوسرے کی شادیوں میں ناچتے جھومتے تھے، اب

ایک دوسرے کے جنازے میں شریک نہیں ہوتے۔ ان کے بچے ایک دوسرے کو چچا اور تایا کہنے کے بجائے "دشمن" سمجھتے ہیں۔ مٹی کے ایک بے جان ٹکڑے کے لیے وہ اس خون کو بہا دیتے ہیں جس کی کوئی قیمت نہیں ہوسکتی۔

باپ اور بیٹے کی دوری: شادی کے بعد بدلی ہوئی نظریں

ایک باپ کے لیے دنیا کا سب سے بڑا صدمہ یہ ہوتا ہے کہ اس کا اپنا بیٹا، جس کی جوانی کے لیے اس نے اپنے بال سفید کر لیے، شادی کے بعد بدلے ہوئے لہجے میں بات کرے۔

باپ کو دیکھنا گوارا نہ کرنا: جیسے ہی بیٹے کے سر پر سہرے کا تاج سجتا ہے اور بیوی گھر میں آتی ہے، باپ کی نصیحتیں اسے "دقیانوسی" لگنے لگتی ہیں۔ وہ باپ جو کل تک اس کا کل سرمایہ تھا، اب اسے اپنے معیارِ زندگی میں ایک رکاوٹ نظر آنے لگتا ہے۔ بیٹا باپ کے سامنے آنکھیں نکالتا ہے، اونچی آواز میں بات کرتا ہے اور اپنی بیوی کو خوش کرنے کے لیے اپنے بوڑھے باپ کو گھر سے نکالنے یا اسے تنہا چھوڑنے پر تیار ہو جاتا ہے۔

باپ کا ٹوٹتا ہوا دل: باپ جس نے اپنی زندگی کا ایک ایک پیسہ بیٹے کی تعلیم اور شادی پر لگا دیا، وہ اب سسک سسک کر جیتا ہے۔ وہ بیٹا جو اس کا فخر تھا، اب اس کے لیے ایک ڈراؤنا خواب بن جاتا ہے۔

اصلاحی و عالمانہ رخ: (کتابِ الٰہی اور سنتِ مصطفیٰ ﷺ کی روشنی میں)

اس معاشرتی ناسور کا علاج تب تک ممکن نہیں جب تک ہم اپنے دلوں کو قرآن و حدیث کے نور سے منور نہ کریں۔ اسلام نے ان تمام رشتوں کے حقوق اور حدود متعین کیے ہیں۔

ساس بہو کے لیے شرعی ضابطہ (صبر اور انصاف)

علماء کا فرمان: ساس کو چاہیے کہ وہ یہ یاد رکھے کہ وہ خود بھی کبھی کسی کی بہو تھی، جو تکلیف اس نے جھیلی، وہ اپنی بہو کو نہ دے۔ بہو کو ایک بیٹی کی طرح پناہ دے، اس کی چھوٹی موٹی غلطیوں سے درگزر کرے۔

بہو کے لیے ہدایت: بہو کو یہ سمجھنا چاہیے کہ ساس اس کے شوہر کی ماں ہے، جس نے اس کے شوہر کو پالا ہے۔ اگر وہ ساس کی خدمت کرے گی اور ان کے مزاج کو برداشت کرے گی، تو وہ اپنے شوہر کے دل کی ملکہ بن جائے گی۔ قرآن فرماتا ہے: وَجَزَاءُ سَيِّئَةٍ سَيِّئَةٌ مِّثْلُهَا فَمَنْ عَفَا وَأَصْلَحَ فَأَجْرُهُ عَلَى اللَّهِ (اور برائی کا بدلہ اسی جیسی برائی ہے، پھر جس نے معاف کیا اور اصلاح کی تو اس کا اجر اللہ کے ذمے ہے)

بھائیوں کے لیے نصیحت (قطع رحمی کا انجام)

حدیثِ مبارکہ: سرکارِ دو عالم ﷺ نے ارشاد فرمایا: لَا يَدْخُلُ الْجَنَّةَ قَاطِعٌ (رشتوں کو توڑنے والا جنت میں داخل نہیں ہوگا) (صحیح بخاری، حدیث ۵۹۸۴)

زمین کی حقیقت: مٹی کے جس ٹکڑے کے لیے آج بھائی اپنے بھائی سے لڑ رہا ہے، کل موت کے بعد وہی مٹی اس کا پیٹ بھرے گی۔ ایک انچ زمین کے لیے اپنے سگے بھائی کا دل دکھانا یا اس کا حق مارنا جہنم کا طوق اپنے گلے میں ڈالنا ہے۔ بھائیوں کو چاہیے کہ وہ ایثار اور قربانی کا مظاہرہ کریں، جیسے حضرت یوسف علیہ السلام نے اپنے بھائیوں کی خطاؤں کو معاف کر دیا تھا پس ہمیں بھی معافی کا رویہ اپنانا چاہیے۔

بیٹے کے لیے فکری تازیانہ (والدین کی اطاعت)

قرآنی حکم: اللہ رب العزت نے اپنی توحید کے فوراً بعد والدین کے ساتھ حسنِ سلوک کا حکم دیا: وَقَضٰی رَبُّكَ اَلَّا تَعْبُدُوْا اِلَّا اِيَّاهُ وَبِالْوَالِدَيْنِ اِحْسَانًا۔

بیوی اور ماں کا توازن: ایک سچے مسلمان بیٹے کا کردار یہ ہونا چاہیے کہ وہ بیوی کے حقوق بھی ادا کرے اور والدین کے حقوق بھی۔ بیوی کی خاطر ماں باپ کو چھوڑنا یا ان کا دل دکھانا صریحاً گمراہی ہے۔ یاد رکھیے! بیوی بدل سکتی ہے، لیکن ماں باپ کبھی بدل نہیں سکتے۔ جو بیٹا اپنے باپ کی عزت نہیں کرتا، اس کا اپنا بیٹا کل اس کا گریبان پکڑے گا (مکافاتِ عمل)۔

حاصلِ کلام:

یہ خانگی لڑائیاں دراصل ہمارے دلوں سے خوفِ خدا اور آخرت کی فکر کے نکل جانے کا نتیجہ ہیں۔ جب تک گھروں کے اندر "انا" ختم نہیں ہوگی اور "ایثار" (قربانی) کا جذبہ پیدا نہیں ہوگا، تب تک یہ مکان کبھی گھر نہیں بن سکتے۔ اگر ہم چاہتے ہیں کہ ہمارے گھروں سے یہ دوزخ ختم ہو اور وہاں رحمتِ الٰہی کا نزول ہو، تو ہمیں اپنے حق کے لیے لڑنے کے بجائے دوسروں کے حقوق ادا کرنے کی فکر کرنی ہوگی۔

۱۲۔ باب دوازدہم

موت کا بلاوا

(حیاتِ فانی کا اختتام اور سکراتِ موت کی سچائیاں)

كُلُّ نَفْسٍ ذَائِقَةُ الْمَوْتِ وَإِنَّمَا تُوَفَّوْنَ أُجُورَكُمْ يَوْمَ الْقِيَامَةِ ۰ (سورہ ال عمران، ایت ۱۸۵)

ترجمہ: ہر جان کو موت کا مزہ چکھنا ہے، اور تمہارے اجر تو قیامت ہی کے دن پورے دیے جائیں گے۔

پکارتی ہے قضا، اب حیاتِ فانی ختم
یہ کائنات کا میلہ، یہ سب کہانی ختم
وہ سکراتِ موت کی سچائی سامنے آئی
ہوئی ہے دنیا کی ہر ایک کامرانی ختم

بچھڑنے کا مستقل غم، پچھتاووں کا دوزخ اور اداس آنگن کا مرثیہ:

کائنات کا سب سے کڑوا، اٹل اور جگر دوز سچ "موت" ہے۔ جب تک یہ کسی دوسرے کے گھر پر دستک دیتی ہے، یہ صرف ایک خبر ہوتی ہے۔ لیکن جب یہ موت چپکے سے ہمارے اپنے گھر کی دہلیز پار کر کے کسی ایک فرد کو — خواہ وہ بوڑھے ماں باپ ہوں، جوان بھائی ہو، یا کوئی معصوم بچہ — ہمیشہ کے لیے اٹھا کر لے جاتی ہے، تو وہ دن پورے خاندان کی زندگی کا سیاہ ترین دن بن جاتا ہے۔

موت صرف انسان کو نہیں لے جاتی، وہ اپنے پیچھے یادوں کا ایک ایسا کوڑا کرکٹ اور پچھتاووں کا ایسا دوزخ چھوڑ جاتی ہے جس کی آگ میں پورا گھر جیتے جی جلتا ہے۔ اس

المناک موڑ پر گھر والوں کے دل پر کیا گزرتی ہے، وہ کس کس انداز میں روتے ہیں اور کن باتوں پر پچھتاتے ہیں،

صدمے کا پہلا جھٹکا: کائنات کا تھم جانا

جس لمحے روح قفسِ عنصری سے پرواز کرتی ہے اور ڈاکٹر یا کوئی بزرگ یہ اعلان کرتا ہے کہ "اب یہ ہم میں نہیں رہے" تو پورے گھر پر ایک ایسا سکوت طاری ہو جاتا ہے جیسے کائنات کی نبض رک گئی ہو۔

انکارِ حقیقت کی کیفیت: ذہن اس سچ کو قبول کرنے سے انکار کر دیتا ہے۔ گھر والے کبھی اس کی نبض ٹٹولتے ہیں، کبھی اس کے ٹھنڈے ہوتے ہوئے مٹی کے جسم پر ہاتھ رکھ کر اسے جھنجھوڑتے ہیں کہ: "اٹھو! خدا کے لیے ایک بار آنکھیں کھولو، دیکھو ہم سب تمہارے پاس کھڑے ہیں!

جنازے کی روانگی کا کرب: جب غسل کے بعد سفید کفن میں لپٹا وہ چہرہ آخری بار دیکھنے کے لیے سامنے رکھا جاتا ہے، تو گھر میں کہرام مچ جاتا ہے۔ اور جب چارپائی کو کندھا دے کر گھر کے دروازے سے باہر نکالا جاتا ہے، تو یوں محسوس ہوتا ہے جیسے مکان کی چھت گر گئی ہو۔ وہ وجود جو کل تک اس گھر کا مالک یا رونق تھا، آج ایک مسافر بن کر ایسا گیا کہ کبھی لوٹ کر نہیں آئے گا۔

کون کس انداز میں یاد کرتا ہے اور روتا ہے؟

گھر کا ہر فرد متوفی (انتقال کر جانے والے) کو اپنے اپنے رشتے کے آئینے میں دیکھ کر روتا ہے اور ہر ایک کے رونے کا انداز مختلف ہوتا ہے:

ماں کی بین اور خالی گود: اگر مرنے والا بچہ یا جوان بیٹا ہو، تو ماں کا حال سب سے ابتر ہوتا ہے۔ وہ دیواروں سے سر ٹکرا ٹکرا کر روتی ہے۔ وہ گھر کے کونے کونے میں اس کے

کپڑے، اس کے جوتے اور اس کی استعمال کی چیزیں ڈھونڈتی پھرتی ہے۔ وہ کچن میں جاتی ہے تو اسے یاد آتا ہے کہ میرا لال کس شوق سے فرمائش کر کے کھانا پکواتا تھا، اور اب وہ پلیٹیں اور برتن خالی پڑے ماں کا منہ چڑاتے ہیں۔ ماں کا روپ ایک زندہ لاش جیسا ہو جاتا ہے۔

باپ کی کمر کا ٹوٹنا اور تنہائی: باپ اگرچہ مردانگی کے بھرم میں سب کے سامنے دھاڑیں مار کر نہیں روتا، لیکن وہ اندر سے کھوکھلا ہو جاتا ہے۔ اگر بوڑھے ماں باپ میں سے کوئی رخصت ہوا ہو، تو بیٹا اپنے کندھوں پر ایک یتیمی کا بوجھ محسوس کرتا ہے کہ اب تک دنیا کی کوئی دھوپ اسے تپا نہیں سکتی تھی کیونکہ سر پر ایک سایہ تھا جو اب اٹھ گیا۔ باپ اگر بیٹے کا جنازہ اٹھائے، تو وہ ویرانے میں بیٹھ کر آسمان کی طرف دیکھتا ہے اور اس کی خاموش سسکیاں عرش کو ہلا دیتی ہیں۔

بھائی بہنوں کی اداسی: بھائی بہن ایک دوسرے کا بازو ہوتے ہیں۔ جب ایک بھائی یا بہن جدا ہوتی ہے، تو زندہ رہ جانے والوں کو لگتا ہے کہ ان کا ایک بازو کٹ گیا ہے۔ وہ گھر کی ان جگہوں کو دیکھ کر روتے ہیں جہاں وہ بیٹھ کر باتیں کرتے تھے، لڑتے جھگڑتے تھے اور راتوں کو قہقہے لگاتے تھے۔ اب وہ جگہیں ایسی کاٹنے کو دوڑتی ہیں کہ وہاں سے گزرتے ہوئے دل دہل جاتا ہے۔

پچھتاووں کا دوزخ: کاش ہم یہ کر لیے ہوتے!

موت کے بعد غم سے زیادہ انسان کو جو چیز مارتی ہے، وہ ہے "پچھتاوا" جب تک انسان زندہ رہتا ہے، ہم اسے معمولی سمجھتے ہیں، اس سے لڑتے ہیں، اس کی باتوں کو نظر انداز کرتے ہیں۔ لیکن جب وہ مٹی کی چادر اوڑھ کر سو جاتا ہے، تو اس کی ہر ایک تلخ بات بھی محبت بن کر یاد آتی ہے۔ گھر والے سر پکڑ کر بیٹھ جاتے ہیں اور ان کی زبان پر صرف ایک ہی لفظ ہوتا ہے:

کاش! اس دن جب انہوں نے مجھے بلایا تھا، میں اپنا کام چھوڑ کر ان کے پاس بیٹھ جاتا

اور ان کی بات سن لیتا۔

کاش! اس رات جب وہ تکلیف میں تھے یا مجھ سے کچھ مانگ رہے تھے، میں ان پر غصہ نہ کرتا، کاش میں نے ان کا دل نہ دکھایا ہوتا۔

کاش! مجھے معلوم ہوتا کہ ان کی زندگی اتنی مختصر ہے، تو میں ان کے پیر دھوتا، ان کی ہر ضد پوری کرتا، انہیں کبھی اکیلا نہ چھوڑتا۔

وہ لمحے جب انسان نے اپنے عزیز کو وقت نہیں دیا ہوتا، وہ باتیں جو غصے میں کہی ہوتی ہیں، وہ سب یاد آ کر دل میں خنجر کی طرح چبھتی ہیں۔ انسان تڑپتا ہے کہ کاش قدرت مجھے صرف ایک منٹ کے لیے، صرف ایک سیکنڈ کے لیے اسے زندہ کر کے میرے سامنے لادے تا کہ میں اس کے قدموں میں گر کر اپنی تمام گستاخیوں کی معافی مانگ لوں لیکن موت کا دروازہ کبھی دوبارہ نہیں کھلتا۔

یادوں کی بنیاد پر رونا اور سونا آنگن: وقت گزرنے کے ساتھ ساتھ آنسو تھم جاتے ہیں، لیکن درد مستقل دل کا حصہ بن جاتا ہے۔ گھر والے اب اس کی زندگی کی عادات کو بنیاد بنا کر روتے ہیں:

* صبح جب چائے بنتی ہے، تو یاد آتا ہے کہ وہ سب سے پہلے اٹھ کر چائے مانگا کرتے تھے۔

* شام کو جب گھر کا دروازہ کھلتا ہے، تو نظریں بے اختیار اسی سمت اٹھتی ہیں کہ شاید وہ مسکراتے ہوئے اندر آئیں گے، لیکن پھر اچانک حقیقت کا جھٹکا لگتا ہے کہ وہ اب کبھی نہیں آئیں گے۔

* عید یا کوئی تہوار آتا ہے، تو ان کے حصے کے کپڑے نہیں بنتے، ان کی کرسی خالی ہوتی ہے۔ سب نئے کپڑے پہن کر ایک دوسرے کو مبارکباد دیتے ہیں، لیکن دل سب کا قبرستان بنا ہوتا ہے اور ہر ایک کی آنکھ میں آنسو چمک رہے ہوتے ہیں۔

آگے کا ارادہ اور فکری انجام:

اس شدید تکلیف اور پچھتاوے کے بعد، جب صدمے کی شدت کچھ کم ہوتی ہے، تو گھر والوں کا ارادہ بدلتا ہے۔ اب وہ پچھتاوے کا کفارہ ادا کرنے کے لیے درج ذیل راستے اپناتے ہیں:

ایصالِ ثواب اور صدقہ جاریہ: اب انہیں سمجھ آتی ہے کہ روئے دھونے سے وہ واپس نہیں آئے گا، اس لیے وہ اس کے نام پر غریبوں کو کھانا کھلاتے ہیں، مسجدوں میں قرآن رکھواتے ہیں، یا پانی کا کنواں کھدواتے ہیں تاکہ اس کی روح کو ثواب پہنچے۔

باقاعدہ دعا اور استغفار: ہر نماز کے بعد ہاتھ اٹھتے ہی سب سے پہلے اسی بچھڑے ہوئے فرد کی مغفرت کی دعا نکلتی ہے۔

زندہ رشتوں کی قدر کا احساس: اس صدمے کا ایک بڑا اثر یہ ہوتا ہے کہ گھر والوں کو باقی زندہ رشتوں کی قدر معلوم ہو جاتی ہے۔ جو بھائی کل تک لڑتے تھے، وہ یہ سوچ کر ایک دوسرے کے گلے لگ جاتے ہیں کہ زندگی کا کوئی بھروسہ نہیں، کل شاید ہم میں سے بھی کوئی نہ رہے۔

یہ قاری کو جھنجھوڑ کر رکھ دے گا کہ: "اے انسان! اپنے رشتوں کی قدر ان کی زندگی میں کر لے، اس سے پہلے کہ وہ مٹی کا ڈھیر بن جائیں اور تو قبر کی پائنتی بیٹھ کر معافیاں مانگتا پھرے۔ موت کا یہ دردناک نقشہ ہر اس انسان کی کہانی ہے جس نے کسی اپنے کو کھویا ہے۔

۱۳۔باب سیزدہم

عدالتِ الٰہیہ کا کٹہرا

(مکافاتِ عمل اور بارگاہِ رب العزت میں آخری محاسبہ)

وَوُضِعَ الْكِتَابُ فَتَرَى الْمُجْرِمِينَ مُشْفِقِينَ مِمَّا فِيهِ وَيَقُولُونَ يَا وَيْلَتَنَا مَالِ هٰذَا الْكِتَابِ لَا يُغَادِرُ صَغِيرَةً وَّلَا كَبِيرَةً اِلَّا اَحْصٰهَا ۰ (سورۃ الکہف، آیت:۴۹)

ترجمہ: اور نامۂ اعمال رکھا جائے گا تو تم مجرموں کو دیکھو گے کہ اس کے لکھے سے ڈرتے ہوں گے اور کہیں گے ہائے ہماری خرابی اس کتاب کو کیا ہوا ہے نہ اس نے کوئی چھوٹا گناہ چھوڑا نہ بڑا جسے گھیر نہ لیا ہو۔

عدالتِ الٰہی کا کٹہرا سجا ہے آج
مکافاتِ عمل کا ہر فیصلہ بجا ہے آج
کھلے ہیں نامۂ اعمال محشر میں
گناہوں کی ندامت کی بس ایک ردا ہے آج

رشتوں کی پامالی کا حساب، محشر کی بے بسی اور نفسِ نفسی کا ہولناک عالم:

دنیا کا میلہ عارضی ہے، یہاں کی عداوتیں، یہاں کی انا، اور یہاں کی عیب جوئیاں ایک دن مٹی کی چادر اوڑھ کر خاموش ہو جاتی ہیں۔لیکن کہانی یہاں ختم نہیں ہوتی، بلکہ اصل کہانی تو اس دن شروع ہوگی جب صور پھونکا جائے گا، زمین و آسمان تانبے کی طرح تپ رہے ہوں گے، سورج سوا نیزے پر ہوگا، اور کائنات کا سب سے بڑا منصف، احکم الحاکمین اپنی عدالت قائم فرمائے گا۔

یہ وہ دن ہوگا جب دنیا میں کیے گئے ایک ایک جملے، ایک ایک طعنے، اور رشتوں کے ساتھ کی گئی ایک ایک بے حسی کا حساب ذرے ذرے کے برابر چکانا ہوگا۔ اس دن کا نقشہ اتنا ہولناک ہے کہ انسان خود اپنے وجود سے پناہ مانگے گا۔

میدانِ محشر کا ہولناک سماں اور نفسِ نفسی کا عالم:

تصور کیجیے! نفسا نفسی کا وہ عالم ہوگا جہاں باپ ہوگا نہ بیٹا، نہ کوئی دوست ہوگا نہ کوئی مونس۔ ہر انسان ننگے پاؤں، ننگے بدن، اپنی لرزتی ہوئی ٹانگوں کے ساتھ کھڑا خدا کے غضب سے کانپ رہا ہوگا۔ قرآنِ کریم نے اس دن رشتوں کی جو بے حسی اور خوفناک منظر کشی کی ہے، وہ روح کو مروڑ دینے کے لیے کافی ہے:

يَوْمَ يَفِرُّ الْمَرْءُ مِنْ أَخِيهِ ۝ وَأُمِّهِ وَأَبِيهِ ۝ وَصَاحِبَتِهِ وَبَنِيهِ ۝ لِكُلِّ امْرِئٍ مِّنْهُمْ يَوْمَئِذٍ شَأْنٌ يُّغْنِيهِ ۝ (سورہ عبس) (جس دن آدمی بھاگے گا اپنے بھائی سے، اور اپنی ماں سے اور اپنے باپ سے، اور اپنی بیوی سے اور اپنے بیٹوں سے۔ اس دن ان میں سے ہر شخص کو ایک ایسی فکر لاحق ہوگی جو اسے دوسروں سے بے پروا کر دے گی)

وہ بھائی جس کے لیے دنیا میں انسان نے دوسرے بھائی کا خون بہایا تھا، وہ بیوی جس کے کہنے پر آ کر انسان نے اپنے بوڑھے ماں باپ کو تنہا چھوڑ دیا تھا، آج محشر کے میدان میں کوئی کسی کا بوجھ اٹھانے کو تیار نہیں ہوگا، بلکہ ہر کوئی ایک دوسرے سے منہ چھپاتا پھرے گا کہ کہیں یہ مجھ سے اپنے حق کا تقاضا نہ کر دے۔

ایک ایک گناہ اور ایک ایک بدلے کا حساب (رشتوں کا کٹہرا)

عدالتِ الٰہی میں حقوق العباد (بندوں کے حقوق) کا حساب سب سے سخت ہوگا۔ وہاں دنیا کی

طرح سفارش، پیسہ یا جھوٹ کام نہیں آئے گا، بلکہ وہاں نیکیاں اور گناہ بطورِ کرنسی استعمال ہوں گے۔

ماں کا بیٹے کے گریبان پر ہاتھ: وہ ماں جس نے نو ماہ پیٹ میں پالا، اور جوان بیٹے نے بیوی کے اکسانے پر یا اپنی انا میں آ کر اسے طعنے دیے، اس کا دل دکھایا، وہ ماں آج محشر میں اللہ کے سامنے کھڑی ہوگی۔ وہ کہے گی: یا اللہ! میں نے اپنی جوانی اس کے لیے گھلا دی، اس نے مجھے بڑھاپے میں تڑپایا، آج مجھے اس کا بدلہ چاہیئے۔ بیٹا اپنی ماں کے سامنے ہاتھ جوڑے گا، روئے گا، تڑپے گا، لیکن ماں کہے گی: آج کوئی رشتہ نہیں، آج مجھے اپنی نیکیوں کی ضرورت ہے۔ اور بیٹے کی نیکیاں ماں کے نامے میں منتقل کر دی جائیں گی۔

مظلوم بیوی اور ظالم شوہر کا آمنا سامنا: وہ شوہر جو دنیا میں اپنی بیوی پر ظلم کرتا تھا، اس کی محنتوں کو حقیر سمجھتا تھا، بات بات پر طعنے دیتا تھا اور اس کا جینا دوبھر کرتا تھا؛ آج وہ بیوی اللہ کی بارگاہ میں اپنا آنچل پھیلائے گی۔ وہ کہے گی: اے ربِ قدیر! میں اپنا سُکھڑاپا چھوڑ کر اس کے نام پر آئی تھی، اس نے میری زندگی کو دوزخ بنا دیا" شوہر کے پاس کوئی جواب نہیں ہوگا، اس کی زبان پر مہر لگا دی جائے گی اور اس کے ہاتھ پاؤں اس کے ظلم کی گواہی دیں گے۔

بھائی بھائی کا دشمن: وہ بھائی جو زمین کے ایک ٹکڑے کے لیے دنیا میں دشمن بن گئے تھے، آج ایک دوسرے کے خون کے پیاسے ہوں گے۔ مٹی کا وہ ٹکڑا دنیا ہی میں رہ گیا، لیکن اس کی وجہ سے جو قطع رحمی (رشتہ توڑا) کی گئی تھی، اس کا عذاب آج بھگتنا ہوگا۔ ایک بھائی دوسرے بھائی کی نیکیاں چھین رہا ہوگا، اور جب نیکیاں ختم ہو جائیں گی، تو مظلوم بھائی کے گناہ ظالم بھائی کے سر پر لاد دیے جائیں گے۔

بوڑھے باپ کا استغاثہ: وہ باپ جس کو بیٹے نے شادی کے بعد دیکھنا تک گوارا نہیں کیا،

آج وہ جلالِ الٰہی کے سامنے کھڑا ہو کر انصاف مانگے گا۔ وہ بیٹا جو دنیا میں اپنی گاڑی اور بنگلے پر مغرور تھا، آج ذلیل و خوار ہو کر اپنے باپ کے پیروں میں گرے گا، لیکن وہاں معافی کا وقت گزر چکا ہوگا۔

سب سے دردناک انجام: "مفلس" کون ہے؟

سرکارِ دو عالم ﷺ نے ایک بار صحابہ کرام سے پوچھا: تم جانتے ہو مفلس کون ہے؟ صحابہ نے عرض کیا: جس کے پاس پیسہ اور سامان نہ ہو۔ حضور ﷺ نے فرمایا:

میری امت کا مفلس وہ شخص ہے جو قیامت کے دن نماز، روزہ اور زکوٰۃ کے ساتھ آئے گا، لیکن اس نے دنیا میں کسی کو گالی دی ہوگی، کسی پر تہمت لگائی ہوگی، کسی کا مال کھایا ہوگا، اور کسی کا خون بہایا ہوگا۔ پس اس کی نیکیاں ان مظلوموں کو دے دی جائیں گی، اور اگر اس کی نیکیاں ختم ہو گئیں تو ان مظلوموں کے گناہ اس کے سر پر ڈال دیے جائیں گے اور اسے جہنم میں پھینک دیا جائے گا۔ (صحیح مسلم)

یہ ہے ان لوگوں کا انجام جو بظاہر بہت نیک بنتے ہیں، لیکن اپنے گھر والوں، اپنی بیویوں، اپنے بھائیوں اور اپنے رشتہ داروں کے حقوق پامال کرتے ہیں۔ ان کی نمازیں، ان کے روزے، ان کے وظائف سب دھرے کے دھرے رہ جائیں گے اور وہ رشتوں کی احسان فراموشی کی وجہ سے اندھے جہنم کے حقدار بن جائیں گے۔

خوفِ خدا اور زندگی سدھارنے کا پیغام (حاصلِ کلام)

اے میری کتاب کو پڑھنے والے غافل انسان! ذرا اپنے دل پر ہاتھ رکھ اور سوچ۔ آج تیرے پاس وقت ہے، آج توبہ کا دروازہ کھلا ہے۔ اگر تو نے اپنی ماں کا دل دکھایا ہے، اگر تو نے اپنے باپ کے سامنے اونچی آواز میں بات کی ہے، اگر تو اپنے بھائی سے زمین کی خاطر

بولنا بند کر چکا ہے، اگر تو اپنی بیوی کی زندگی کو اجیرن بنا رہا ہے، یا اگر تو اپنے رشتہ داروں کو بھول چکا ہے— تو خدا کے لیے آج ہی محشر کی اس رسوائی سے ڈر جا!

موت کسی بھی وقت، بغیر بتائے آ سکتی ہے۔ اس سے پہلے کہ تیرا سانس اکھڑ جائے اور تو اس کٹہرے میں کھڑا کر دیا جائے جہاں سے واپسی کا کوئی راستہ نہیں، آج ہی جا!

*اپنے بھائی کو گلے سے لگا لے اور زمین کا ٹکڑا اس کے نام کر دے۔

*اپنی ماں کے پیروں کو چوم کر اس سے رو رو کر معافی مانگ۔

*اپنی بیوی کا ہاتھ تھام کر اس کے سامنے اپنی خطاؤں کا اعتراف کر۔

*اپنے تمام رشتہ داروں کو فون کر کے، ان سے مل کر اپنے تعلقات کو بحال کر۔

زندگی بہت مختصر ہے اور محشر کا عذاب بہت سخت ہے۔ رشتوں کے ساتھ حسنِ سلوک اختیار کرو، کیونکہ خدا اپنے حقوق (نماز، روزہ) تو شاید معاف کر دے، لیکن بندوں کے حقوق (حقوق العباد) تب تک معاف نہیں ہوں گے جب تک وہ مظلوم بندہ تمہیں معاف نہ کر دے۔ اللہ پاک ہم سب کو محشر کی رسوائی سے بچائے اور رشتوں کی حقیقی قدر کرنے کی توفیق عطا فرمائے۔

اختتامیہ

بِسمِ اللہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیمِ

اَللّٰھُمّ لَکَ الحَمدُ کُلُّہُ، وَلَکَ الشُّکرُ کُلُّہُ، وَعَلَیکَ الثَّنَاءُ کُلُّہُ، وَصَلِّ وَسَلِّمْ عَلٰی سَیِّدِنَا مُحَمَّدٍ النَّبِیِّ الاُمِّیِّ الھَاشِمِیِّ، وَعَلٰی اٰلِہٖ وَاَصحَابِہٖ اَجمَعِینَ۔

الحمدللہ علیٰ احسانہ! خدائے ذوالجلال والاکرام کے فضلِ عمیم، حبیبِ پاک، صاحبِ لولاک ﷺ کی نعلینِ پاک کے تصدق، اور حضور غوثِ اعظم قطبِ ربانی رضی اللہ تعالیٰ عنہ کی گیارہویں شریف کی برکت ونسبتِ جلیلہ سے، رشتوں کے زوال، خاندانی بگاڑ اور اخلاقی انحطاط کے موضوع پر مرتب یہ دل دوز اور اصلاحی تالیف اپنے انجام کو پہنچی۔

یہ کتاب محض الفاظ کا مجموعہ یا لفاظی کا گورکھ دھندا نہیں، بلکہ اس دورِ پرآشوب میں رشتوں کی گرتی ہوئی دیواروں کو تھامنے کی ایک مخلصانہ علمی کوشش ہے۔ اس کے ۱۳ ابواب کے اوراق پر جو نالہ وشیون اور جگر دوز فقرہ بندی کی گئی ہے، اس کا واحد مقصد یہ ہے کہ مادیت کی اندھی دوڑ میں بھاگتے ہوئے انسان کو چند لمحوں کے لیے بریک لگائی جائے، اسے اس کے ماضی کا پُرخلوص چمن یاد دلایا جائے، اور محشر کی اس ہولناک عدالت کے کٹہرے سے ڈرایا جائے جہاں رشتوں کی پامالی کا ایک ایک ذرے کا حساب چکانا ہوگا۔

اگر اس کتاب کو پڑھ کر کسی ایک نافرمان بیٹے کا دل پگھل گیا اور وہ روتا ہوا اپنی ماں کے پیروں میں گر گیا، اگر کسی بھائی نے زمین کا ٹکڑا اپنے بھائی کے نام کر کے گلے سے لگا لیا، یا اگر کسی شوہر اور بیوی نے اپنی انا کو دفن کر کے اپنے اجڑتے ہوئے گھر کو دوبارہ محبت کا گہوارہ بنا لیا، تو میں سمجھوں گا کہ میری راتوں کا جاگنا اور قلم کی یہ جانکاہ مشقت بارگاہِ الٰہی میں سرخرو ہوگئی۔

بارگاہِ الٰہی میں عاجزانہ التجا

یا اللہ العالمین! یا مسبب الاسباب! یا رحمٰن و یا رحیم!

اے مالکِ ارض و سما! ہمارے دلوں سے انا، تکبر، حسد اور پیسے کی وہ ہوس نکال دے جو ہمیں اپنے ہی خونی رشتوں کا دشمن بنا دیتی ہے۔

یا اللہ! ہمارے گھروں کو، جو آج خانگی جنگ اور طعن و تشنیع کی وجہ سے دوزخ کا نمونہ بن چکے ہیں، انہیں اپنی رحمت، برکت اور صلہ رحمی کے نور سے مدینے کا چمن بنا دے۔

یا ارحم الراحمین! جن کے ماں باپ حیات ہیں، انہیں ان کی سچی اطاعت اور خدمت کی توفیق عطا فرما، اور جن کے والدین مٹی کی چادر اوڑھ کر قبروں میں جا سوئے ہیں، ان کی لغزشوں کو معاف فرما کر انہیں جنت الفردوس میں اعلیٰ مقام عطا فرما۔

یا غفور و یا رحیم! میاں بیوی ذکے رشتوں میں وہی الفت اور پاکیزگی پیدا فرما جو تو نے حضرت علی اور خاتونِ جنت سیدہ فاطمہ زہرا رضی اللہ عنہما کے درمیان پیدا فرمائی تھی۔ بھائیوں کو حضرت یوسف علیہ السلام جیسا ایثار اور درگزر کرنے کا جذبہ عطا فرما۔

خالقِ کائنات! محشر کے اس لرزہ خیز دن، جب نفسا نفسی کا عالم ہوگا اور کوئی کسی کا بوجھ نہیں اٹھائے گا، ہمیں رشتوں کی احسان فراموشی اور حقوق العباد کی پامالی کی رسوائی سے محفوظ فرما۔ ہمیں "مفلس" بن کر جہنم میں جانے سے بچا لے، اور اپنے حبیب پاک ﷺ کی شفاعتِ کبرا کا حقدار بنا۔ یا اللہ! اس عاجزانہ علمی کاوش کو اپنی بارگاہِ احدیت میں شرفِ قبولیت عطا فرما۔ اسے عوام و خواص کے لیے نافع اور دلوں کو نرم کرنے کا ذریعہ بنا۔ مؤلف، اس کے والدین، مشائخ اور تمام قارئین کی دنیا و آخرت میں مغفرت فرما۔

اٰمِین، اٰمِین، بِجَاہِ سَیِّدِ الْمُرْسَلِیْنَ، وَبِفَضْلِ سُبْحٰنَ رَبِّکَ رَبِّ الْعِزَّۃِ عَمَّا یَصِفُوْنَ، وَسَلٰمٌ عَلَی الْمُرْسَلِیْنَ، وَالْحَمْدُ لِلّٰہِ رَبِّ الْعٰلَمِیْنَ۔

مؤلف: محمد شمس الضحیٰ قادری